

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللَّهُ
بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ
إِلَّا هُوَ وَإِنْ يُرِدْكَ
بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ



وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا

اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی
سے تھام لو اور تفرقہ میں نہ پڑو

حَبْلِ اللَّهِ



اور اگر اللہ تمہیں کسی
مصیبت میں مبتلا کرے
تو سوائے اس کے کوئی اور
اسے دور کر نیا لا نہیں اور اگر
وہ تمہیں خیر سے نوازا چاہے
تو کوئی اس کے فضل کو
روکنے والا نہیں (یونس آیت ۱۰۷)



الهامی ادب

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ اِذَا حَضَرَ يَعْقُوبَ
الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ
مِنْ بَعْدِي قَالُوا نَعْبُدُ الْهَآءَ وَالْهَآءَ اَبَآءَكَ
اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ الْهَآءَ وَاحِدًا
وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُونَ ۝

(البقرة: ۱۳۳)

پھر کیا تم اُس وقت موجود تھے جب کہ یعقوبؑ کی
موت کا وقت آیا، اور اس وقت انہوں نے اپنے
بیٹوں سے کہا کہ تم میرے بعد کس کی بندگی کرو گے
تو انہوں نے کہا ہم اُسی ایک الہ کی بندگی کریں گے
آپ کے الہ، آپ کے باپ دادا ابراہیمؑ، اسمعیلؑ
اور اسحاقؑ کے الہ کی۔ جو معبود یکتا ہے۔ اور ہم اُسی
کے مطیع و فرمانبردار ہیں۔

کمال اللہ

مدیر، محمد اعظم خان
نائب مدیر، طارق نسیم

اڑیس شمارے میں

○ قرینہ ○

① حدیث دل ————— ادارہ

② یونس علیہ السلام

③ عبداللہ ابن مسعود ————— سعید احمد

④ اہل بیت قرآن و حدیث کے مناظر میں
————— انور طالب

⑤ حکیم الامت اور اعمال قرآنی
————— محمد انوار

⑥ قافلہ ہے رواں دواں
————— از حدیث غریبہ خالد عزیز

⑦ سلسلہ سوال و جواب
————— سلمان عبداللہ شکیل الرحمن

⑧ مومنوں کے باہمی تعلقات

محمد اعظم خان

معاونین

محمد علی گل

الشیخ یعقوب علی

سعید احمد

ڈاکٹر طارق الرحمن

انیس الدین

پرتھ
بلا قیمت
تقسیم کیا جائے گا



مقام اشاعت خط و کتابت
دفتر حبیب اللہ
۱۰۱۱-۱۰۱۲، سہیل پور، لاہور
فون: ۳۸۵۴۳۵

تحریر کی کو متحرک رکھنے اور
تحلیل افادہ کی اشاعت ممکن بنانے
کے لیے ہر لمحہ کچھ مالی تعاون
مقرر فرمائیے۔

حدیثِ دل

کیسا مبارک تھا وہ دور اور خیر و برکت کی حامل تھیں وہ گھائیاں جن کو اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے مقدس مشن کے آغاز اور اس انقلابی دعوت کی ابتدا کے لئے چھانٹا تھا۔ وہاں تو بے دینی، جہالت، ظلم و جور، عروانی و فحاشی اور بد عملی و بد کرداری کا دورہ دورہ تھا۔ بے حیائی و بے غیرتی سے بھرا ہوا ادب اور شاعری باعث افتخار سمجھے جاتے تھے۔ انسانوں کے ساتھ وحشی و رندوں جیسا سلوک کرنے والے اپنی تہذیب و ثقافت اور خاندانی روایات پر نازاں تھے۔ مردوں کو الہ بنا کر داتا و دھکیمر اور غوث کے القاب سے یاد کرنے والے اور فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں بنا کر ان کی پوجا پاٹ کرنے والے اور خود اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے والی قوم کے افراد اللہ کے گھر کے متولی اور منتظم بنے ہوئے تھے! اس عظیم رب کی قدرت و حکمت کا یہ ایک حیرت انگیز کرشمہ تھا کہ ایسی پس ماندہ قوم کا ایک فرد انسانیت کا کامل ترین نمونہ، سیرت و اخلاق میں بے مثال، اس انقلابی مشن کے لئے کھڑا کیا گیا اور اس کے ذریعے قوم کو بھولا سبق یاد دلایا گیا۔

قُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تَفْلَحُوا

(اللہ کو اکیلا مان لو فلاح یاب ہو جاؤ گے)

ان کو سمجھایا گیا کہ لوگو! تمہارا مسئلہ ایک ہی ہے، تمہاری پستی اور برادری کا اصل سبب 'وہ برائی' ام الجہالت (تمام برائیوں کی جڑ) شرک کی ڈائن ہے۔ تم نے رب کائنات کے ساتھ دوسرے معبود بنائے ہیں جن کو پوجتے اور پکارتے ہو، ان سے مدد مانگتے ہو اور ان کی شکر گزاری نذر و نیاز کی شکل میں بجالاتے ہو۔ بلا شک و شبہ تم رب ذوالجلال کے قہر و غضب کو دعوت دے رہے ہو۔ تم کو تو صرف اس اکیلے رب کی بندگی کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور اسی میں تمہارا امتحان ہے۔ اس بات کو سمجھ لو۔ اللہ کو اکیلا مانو اور دوسری ہستیوں سے بندگی کا رشتہ توڑ دو، اپنے دین کو صرف اسی ذات واحد کی عبادت کے لئے خالص کر لو۔ اللہ تعالیٰ تم سے راضی ہو گا، تمہیں عزت و سرفرازی سے نوازے گا اور اقوام عالم پر فوقیت عطا فرما دے گا۔

یہ بات نئی اور پیچیدہ نہ تھی، صاف سادہ اور کھری تھی۔ قلب و ذہن کی گہرائیوں میں اتر جانے والی تھی۔ انسانی فطرت اور مشاہدات عالم کے عین مطابق تھی۔ لیکن پھر بھی اکثریت نے اس کو نہ مانا، لہو و لعب اور عیش و طرب میں غرق و مدہوش قوم کے عاقلوں، دانشوروں اور سرداروں نے اس سے منہ موڑ لیا اور مخالفت پر کمر باندھ لی۔ البتہ غورو فکر کرنے والے کچھ امت و روں نے "امنوا بکم" کی حیات آفریں پکار پر اٹھنا کہا (جن میں اکثر نوجوان اور غریب تھے لیکن کچھ اولوالالباب

صاحب ثروت بھی تھے)۔ ماننے والوں نے عزم کے ساتھ اس دعوت کا ساتھ دیا۔ آزمائشوں، ایذاؤں اور ہر قسم کی ستم رانیوں کو خندہ پیشانی اور ثابت قدمی کے ساتھ انگیز کیا، ہجرت کے بعد میدان قتال میں اتر کر اخلاص اور وفاداری کا بین ثبوت فراہم کر دیا۔ قلیل سی مدت میں نبی علیہ السلام کے زیر تربیت، تزکیہ نفس اور تطہیر قلب و ذہن کے مرحلہ سے گزر کر ان جواں ہمت اور داعی بہاروں کے بچے آرزو مند جاں نثاروں کا ایک ایسا گروہ اس عظیم مشن کے لئے تیار ہو گیا جو مومنانہ اوصاف کے حامل عباد الرحمن کے بہترین نمونے تھے اور جو جان و مال کے عوض جنت کی نعمتوں کے سودے پر پوری طرح مطمئن تھے۔ دنیا کی بے ثباتی اور متاع غرور ہونے کا تصور اور آخرت کی نعمتوں اور اللہ کے انعامات کا شعور ان کے ذہن و خیال میں پوری طرح نقش ہو گیا تھا۔ اسی لئے وہ صبر و استقامت کے پیکر اور عزم و جرأت کی چٹان بن گئے تھے۔ ان کی اجتماعیت یوم حساب پر یقین رکھنے والے بچے ”اخوان المسلمین“ کی اجتماعیت تھی اور ان کے باہمی تعلقات ”اشقاء علی الکفار وحماء ینہم“ کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ ہر چند کہ شیاطین الانس و الجن کے وار سے گھائل ہونے والے غیر سنجیدہ، منافقین جو نفس پرستی کا شکار، تذبذب اور ذہنی مرعوبیت، احساس برتری اور عصبیت کے مرض میں گرفتار، دشمنی مفادات کے دلدادہ تھے، مسلمانوں کی صفوں میں گھسے رہ کر انتشار پیدا کرنے کی کوشش میں لگے رہتے اور مومنوں کے باہمی اعتماد و اخلاص کو مجروح کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے لیکن مومنین صالحین تمام جسمانی اور نفسیاتی آزمائشوں میں ثابت قدم رہے اور

”اصبروا صابر وادوا بطوا“

کے اسلحے سے آراستہ ہر باطل شیطانی وار کا مقابلہ مردانہ وار کرتے رہے۔ ان آزمائشوں میں کھوٹے سکے چھٹتے رہے اور کھرے آگے بڑھتے رہے، یہاں تک کہ رب ذوالجلال نے ان کے ہاتھوں اس مشن کو پایہ تکمیل تک پہنچایا اور دین اسلام کو قلب و جگر عطا فرما کے اپنا وعدہ استخلاف پورا فرما دیا۔ ایک روشن اور تابناک باب تاریخ انسانیت کے صفحات میں مرتسم ہو گیا۔

لیکن تاریخ تو اپنے آپ کو دہراتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے منصوبہ امتحان کے تحت انسان کو فکر و عمل کی آزادی اور اختیار دیا گیا ہے اور ازلی دشمن شیطان کو بھی چھوٹ و مصلحت ملی ہوئی ہے۔ اسکا وار اخبار و رحبان اور قوم کے دیگر بااثر افراد پر ہوتا ہے اور پھر وہ انکو اپنے ساتھ ملا کر سفینہ امت مسلمہ کو کفر و شرک کے بحر ظلمات میں غرق کر دینے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ حاملین کتاب، یسود و نصاریٰ کی تاریخ کی صفحات اسی عروج و زوال کی روئداد سے بھرے ہوئے ہیں۔ اب یہ آخری امت بھی آج اسی منظر نامہ کو دہرا رہی ہے۔ ان کی عقائد و اعمال کو قرآن و حدیث کی کسوٹی پر پرکھنے سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن پر ایمان اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی دعویٰ ایہ امت مسلمہ مشرکانہ عقائد و اعمال میں اور بد اعمالی و بد کرداری اور دنیا پرستی میں پھیلی تمام قوموں سے سبقت لے گئی ہے۔ ان کے مزار، جشن عرس، غیر اللہ کے نام کی نذر و نیاز، سیلیس اور دیگر مشرکانہ رسومات اسکا منہ بولنا ثبوت ہیں۔ اور اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ اقوام عالم میں سب سے زیادہ

پستی و رسوائی اسکا مقدر بنی ہوئی ہے۔ جگہ جگہ خواتین اجتماعی آمیزہ بازی کا شکار ہیں ان کا خون پانی سے ارزاں ہے ان کی بستیوں پر دو سروں کا تسلط ہے یا آپس میں خانہ جنگی سے دو چار ہیں غرضیکہ انہوں اور دو سروں کی ہاتھوں پے جارہے ہیں۔ پس چہ باید کرو؟ (تو پھر کیا کیا جائے)۔ ایک صاحب بصیرت اور دل کی دھڑکن سننے والے سلیم القنطرت انسان کی نظر سے یہ اصول کیسے پوشیدہ رہ سکتا ہے کہ اصلاح احوال کا کارگر طریقہ کار تو صرف ایک ہی ہے یعنی طریقہ ربانی جو ہر نبیؐ نے اپنایا ہے۔ بقول امام مالکؒ

لن يصلح اخر هذه الامة الا ما يصلح اولها

(بعد کی امت کی اصلاح اسی طرح ہوگی جیسے کہ دور اول میں ہوئی تھی)

یعنی ہوش مند جوان ہمت افزا و انھیں اور سب سے پہلے اپنے ایمان و عقیدہ کو قرآن و حدیث کی رہنمائی میں ہر قسم کے شرک کی آلودگی سے پاک کریں اور پھر سنت کا جامہ اس شان سے زیب تن کریں کہ اس فرمان نبویؐ کے مصداق بن جائیں۔

من احب سنتي فقد احبني ومن احبني كان معي الى الجنت

(جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہی میرے ساتھ جنت میں ہوگا)

یعنی اتباع سنت، حب رسولؐ کے پورے شعور اور قلب و ذہن کی گہرائیوں کے ساتھ ہو۔ اور آخرت و دہم حساب پر یقین انکی زندگی کے ہر گوشہ کو ایمان و تقویٰ کے رنگ میں رنگ دے۔ پھر ایسی صالح اور یکسو افراد کی اجتماعیت اس مشن کو لیکر رہ حق میں آگے بڑھے۔ قرون اولیٰ کے نمونے کو ہمہ وقت سامنے رکھتے ہوئے ہر قسم کی آزمائش کو انگیز کرینکا حوصلہ ہو، کٹھن سے کٹھن سرطے میں صبر و ٹھیکہ بانی کا دامن نہ چھوٹے، ”ثم لم يد قابوا“ کے موقف پر کہنی عزم کے ساتھ نہ رہیں۔ تعوذ باللہ اور توکل علی اللہ ان کا اسلحہ اور زرہ بکتر ہو تو رضوان اللہ تعالیٰ اور جنت کی نعمتوں کی آرزو انکا سرمایہ حیات۔ یہ کام اگر اس انداز سے کیا گیا تو انشاء اللہ رب العالمین کی تائید و نصرت ساتھ دے گی اور اس راہ میں کام آئیوالے جنت کی بہاروں اور رب غفور الرحیم کی مہمان نوازی کا جاں فزا مشرہ آخری ہلکی آنے سے قبل ہی من لیں گے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ رب کریم ایمان کی قدر کرنے اور صحیح معنوں میں اس کے تقاضے پورے کرنے کی توفیق سے نوازے اور مشرکین و منکرین کے شیطانی فتنوں سے اپنی خاص حفاظت میں رکھے! آمین۔

يوم الاحد ١٠ رجب المرجب ١٤١٥ھ

یونس علیہ السلام

ابو الفرج جلدون

یونس علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے انبیاء علیہم السلام میں سے ایک نبی گذرے ہیں۔ قرآن مجید کی ایک سورۃ (یونس) انہی کے نام سے موسوم ہے۔ قرآن میں اگرچہ یہ نہیں بتایا گیا کہ ان کی قوم کا مسکن کہاں تھا مگر قرآنی آیات کے مفہوم سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لوگ سمندر کے قریب رہتے تھے۔ ہانبیل میں یونس علیہ السلام کے نام ”یوناہ“ سے موسوم ایک مختصر صحیفے کے حوالے سے مختلف تفاسیر میں دی گئی تفصیلات کے مطابق یونس علیہ السلام کو اہل غنیوی (اشوریوں) کی ہدایت کے لئے رسول بنا کر بھیجا گیا تھا۔ یہ لوگ کافرو مشرک تھے۔ اس قوم کا صدر مقام غنیوی کا مشہور شہر تھا جس کے آثار آج بھی دریائے دجلہ کے کنارے پر واقع شہر موصل کے قریب پائے جاتے ہیں۔ ”صحیفہ یونس“ کے مطابق غنیوی کی آبادی ایک لاکھ بیس ہزار افراد پر مشتمل تھی جبکہ قرآن مجید کی سورۃ الصافات میں بھی ایک لاکھ یا اس سے زائد بتائی گئی ہے۔

قرآن کی سورۃ یونس میں یونس علیہ السلام اور ان کی قوم کے بارے میں اشارۃً یہ ذکر کیا گیا ہے کہ قوم یونس کے علاوہ کوئی ایسی مثال نہیں ہے کہ ایک بستی عذاب دیکھ کر ایمان لائی ہو اور اس کا ایمان اس کے لئے نفع بخش ثابت ہوا ہو۔ اس طرح وہ قوم جب ایمان لے آئی تو اللہ تعالیٰ نے اس پر سے دنیا کی زندگی میں ذلت کا عذاب دور کر دیا اور پھر ایک مدت تک اس کو دنیوی فوائد سے بہرہ مند ہونے کا موقع عطا فرمایا (سورہ یونس آیت ۹۸)۔ اس کے علاوہ سورۃ الانبیاء (آیات ۸۷-۸۸) سورۃ الصافات (آیات ۱۳۹ تا ۱۳۸) اور سورۃ القلم (آیات ۳۸ تا ۵۰) میں مختصر طور پر ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ قرآن میں یونس علیہ السلام کو ذوالنون اور صاحب الحوت (مچھلی والے) کے نام سے بھی یاد کیا گیا ہے۔

قرآن و حدیث اور تفاسیر کی روایات کے مطابق یونس علیہ السلام نے ایک مدت تک دیگر انبیاء علیہم السلام کی طرح اپنی قوم کو اللہ وحدہ لا شریک کی بندگی کی طرف دعوت دی اور بت پرستی اور غیر اللہ کی پوجا پاٹ سے منع کیا۔ لیکن قوم ضد اور ہٹ دھرمی پر اڑی رہی اور اس نے ان کی بات کو نہ مانا۔ بالآخر یونس علیہ السلام نے قوم کی سنگدلی اور ناقدری کی روش سے

ماریوس ہو کر ان کو اللہ کے عذاب سے خبردار کیا کہ اب تم پر اللہ کا عذاب آ رہا ہے۔ اس طرح قوم کو عذاب الہی کی اطلاع دینے کے بعد وہ وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر بحالت غضب قوم کو چھوڑ کر چلے گئے چنانچہ سورۃ الانبیاء میں فرمایا:

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَغَاضِبًا لِّظَنِّ اَنْ لَّنْ نَّقُو عَلَيْهِ (آیت نمبر ۸)

”اور مچھلی والا (جس کو ہم نے نوازا تھا) یاد کرو جب وہ غضبناک ہو کر چلا گیا تھا اور یہ سمجھا تھا کہ ہم اس پر گرفت نہ کریں گے۔“

یعنی یونس علیہ السلام قوم کی بھڑیب کی وجہ سے ان سے ناراض ہو کر چلے گئے یہ خیال کرتے ہوئے کہ ان پر عذاب آنے والا ہے اور انہیں وہاں سے چل کر کہیں پناہ لینی چاہئے مگر انہوں نے اللہ کی طرف سے وہ علاقہ چھوڑنے کے حکم کا انتکار نہ کیا جیسا کہ انبیاء علیہم السلام کی ہمیشہ سے یہ سنت رہی ہے کہ وہ اللہ کے اذن کے بغیر اپنے مقام کو نہیں چھوڑتے۔ لہذا یونس علیہ السلام کا اذن الہی کے بغیر وہاں سے چلے جانا اللہ کے نزدیک قابل گرفت فعل تھا۔ جس کے نتیجے میں وہ سخت آزمائش میں مبتلا ہوئے۔ جس کا ذکر سورۃ الصافات میں اس طرح آیا ہے:

وَإِنْ يُونُسَ لَمِنَ الْمَرْسَلِينَ ۖ إِذْ أَتَىٰ إِلَى الْفَلَكِ الْمُشْعُونِ ۖ لَسَاهُمْ لَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ ۖ

فَالْقَمَدَ الْحَوْتَ وَهُوَ مَلِيمٌ ۖ (آیات ۱۳۹-۱۴۲)

”اور بلاشبہ یونسؑ بھی رسولوں میں سے تھا۔ (یاد کرو) جب وہ ایک بھری ہوئی کشتی کی طرف بھاگ نکلا۔ پھر قرعہ اندازی میں شریک ہوا تو اس نے ذک اٹھائی۔ پھر اسے مچھلی نے نگل لیا اور وہ ملامت زدہ تھا۔“

یہاں اہی کا لفظ استعمال ہوا ہے جو عربی زبان میں صرف ایسے موقع پر بولا جاتا ہے جب کوئی غلام اپنے آقا سے فرار ہو جائے۔ مذکورہ آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ

(۱) یونس علیہ السلام اللہ کی طرف سے واضح حکم آنے سے پہلے ہی محض اس گمان غالب پر کہ نافرمان قوم پر اللہ کا عذاب آنے ہی والا ہے، قوم کو اس کے حال پر چھوڑ کر چل پڑے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کی یہ مستقل سنت ہے کہ جب تک قوم پر پوری طرح سے اتمام حجت نہیں ہو جاتا اس وقت تک اس پر عذاب نازل نہیں کرتا۔ اس طرح یونس علیہ السلام اپنی قوم کے اندر اللہ کی طرف سے دی گئی مصلحت کے آخری لمحے تک دعوت کا سلسلہ جاری نہ رکھ سکے بلکہ وہ قتل اس کے کہ اللہ کی طرف سے ہجرت کا حکم آتا، قوم سے ناراض ہو کر جلد بازی میں چلے گئے۔ سورۃ القلم میں اس کو اس طرح واضح کیا گیا ہے۔

لَا مَبْرَءَ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ ۖ إِذْ نَادَىٰ وَهُوَ مَكْظُومٌ ۖ (آیت نمبر ۳۸)

”نہیں (اے نبی) اپنے پروردگار کے فیصلے تک میرا اور مچھلی والے (یونسؑ) کی طرح نہ ہونا۔ جب اس نے

پکارا اور وہ غم سے بھرا ہوا تھا۔“

(۲) یونس علیہ السلام جب اس طرح اپنی قوم کو چھوڑ کر نکلے تو وہاں سے جانے کے لئے انہیں ایک ایسی کشتی ملی جو پہلے

سے اپنی گنجائش کی حد تک مسافروں سے بھری ہوئی تھی اور وہ اسی میں سوار ہو گئے۔ آگے چل کر جب کشتی کسی بھنور میں پھنسی یا اسکا سابقہ طوفانی ہوا اور تیز و تند موجوں سے پیش آیا اور بوجھ کی زیادتی کی وجہ سے کشتی کا سنبھلنا دشوار ہو گیا اور تمام مسافروں کی زندگی خطرے میں پڑ گئی تو ایسی صورت میں بوجھ کو ہلکا کرنے کے لئے قرعہ اندازی کی گئی جس میں یونس السلام ہی کا نام نکلا۔ وہ اگرچہ اللہ کے رسول ہونے کی وجہ سے نیکی و تقویٰ میں بلاشبہ سب سے بڑھ کر تھے لیکن قرعہ میں انہی کا نام آنے کی وجہ سے انہیں سمندر میں پھینک دیا گیا جہاں ایک بڑی مچھلی نے ان کو نگل لیا۔

(۳) یونس علیہ السلام اس مصیبت اور مشکل صورت حال سے اس لئے دوچار ہوئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر اپنے مقام اور اپنی قوم کو چھوڑ دیا تھا۔ اس لئے وہ اپنی اس کوتاہی اور فرد گزاشت پر خود ہی ملامت زدہ تھے یعنی اپنے دل میں اس پر ندامت کا شدید احساس لئے ہوئے تھے۔ چنانچہ اسی احساس اور اعتراف کے ساتھ مچھلی کے پیٹ سے اپنے رب کی طرف رجوع کیا۔ جیسا کہ سورۃ الانبیاء میں بیان کیا گیا ہے:

لَنَادَىٰ فِي الظُّلُمَاتِ اِنْ لَا اِلَهَ اِلَّا انت سُبْحٰنَكَ بَعَثْتَ اَنِي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِيْنَ ۝ فَاَسْتَجِبْنَا لَهُ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ ۝ وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (آیات ۸۷، ۸۸)

”آخر اس نے (مچھلی کے پیٹ اور سمندر کی گہرائی کے) اندھیروں میں (اللہ کو) پکارا کہ تیرے (اللہ کے) علاوہ کوئی اللہ و معبود (مشکل کشا و فریاد رس) نہیں۔ تو (ہر عیب سے) پاک ہے بے شک میں ہی اپنے اوپر ظلم کرنے والوں میں ہوں۔ پس ہم نے اسکی دعا کو سنا اور قبول کیا اور اسکو غم سے نجات دی اور اسی طرح ہم ایمان والوں کو نجات دیا کرتے ہیں۔“

ملاحظہ فرمائیے! وقت کا نبی ہے۔ اللہ کی طرف سے ایک آزمائش میں جلا ہوتا ہے بے بسی اور بے چارگی کا عالم ہے کہیں سے کوئی مدد نہیں ہوتی۔ سمندر میں پھینک دیا جاتا ہے۔ ڈوبنے لگتا ہے کہ مچھلی لقمہ بنا لیتی ہے یہ نہیں ہوتا کہ کسی جید بندہ کی طرح سطح سمندر پر دوڑنا یا چلنا شروع کر دے اور پانی میں پھینکنے والوں کو حیرت زدہ کر دے۔ سمندر کی گہرائیوں میں مچھلی کے پیٹ سے ”اندھیروں پر اندھیرے میں“ اللہ کے علاوہ کسی اور کو مشکل کشائی یا فریاد رس کے لئے نہیں پکارتا۔ ایک اللہ وحدہ لا شریک کے علاوہ کسی اور کو ڈوبے ہوئے بیڑے کو پار لگانے والا نہیں سمجھتا۔ کسی اور کو اللہ کی بارگاہ میں واسطہ اور وسیلہ بنا کر دعا نہیں کرتا بلکہ صاف اور صریح انداز میں صرف اور صرف اپنے رب کو ”اپنے اللہ کو پکارتا ہے۔ مجھ کو اکساری سے“ اپنی قلمطی کے احساس و اعتراف کے ساتھ اور اس کی پاکی و بڑائی بیان کرتے ہوئے ”براہ راست اسی کو مستجاب الدعوات سمجھ کر“ پھر رب رحیم اپنے فضل و رحمت سے یونس علیہ السلام کی دعا کو شرف قبولیت بخشا ہے اور ان کو اس شدت اور تکلیف سے نجات دیتا ہے اور واضح انداز میں بیان فرماتا ہے:

فَلَوْلَا اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ۝ لَلْبَیْثِ فِی بَطْنِہٖ اَنِّیْ یَوْمَ یَمُوتُوْنَ ۝ (الصافات ۱۳۳، ۱۳۴)

”پھر اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتا تو قیامت کے دن تک اس (مچھلی) کے پیٹ میں رہتا“ (یعنی اسکی خوراک بن جاتا)

لاریب یونس علیہ السلام اللہ کے نبی تھے اور اس اعتبار سے وہ پہلے ہی سے اللہ کی بندگی کا حق ادا کرنے والے اسکی تسبیح و تحمید کرنے والے تھے لیکن جب مچھلی کے پیٹ میں پہنچے اور اسطرح آزمائش سے دوچار ہوئے تب بھی انہوں نے اللہ ہی سے رجوع کیا بلکہ اور زیادہ بندگی کے احساس کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اپنے نبی یونس علیہ السلام اور دوسری انبیاء علیہم السلام کے واقعات اور مثالیں بیان کر کے انسانوں کے لئے ایک اعلیٰ اصول اور بہترین نمونہ پیش کر دیا ہے کہ وہ بندگی صرف اور صرف اللہ کی کریں اور خوشی یا غمی اور مصیبت و پریشانی ہر حال میں اپنے رب سے رجوع کریں اور اپنی زبانوں کو اسی کے ذکر اور اسی کی پاکی و برائی کے بیان سے تر رکھیں اس کے علاوہ کوئی اور ان کا کار ساز و مددگار نہیں ہو سکتا۔

چنانچہ قرآن بیان کرتا ہے کہ جب یونس علیہ السلام نے اسطرح اللہ سے رجوع کیا اور اسکی تسبیح کے ذریعے اسکی رحمت کو متوجہ کیا تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو نہ صرف مچھلی کے پیٹ میں سمندر کی گہرائیوں کے اندر زندہ رکھا بلکہ زندہ حالت میں اسی مچھلی کے ذریعے زمین پر پھینک دیا جس نے ان کو ساحل سمندر کی چٹیل زمین پر اگل دیا۔ جہاں پر نہ روئدگی کے آثار تھے اور نہ کوئی ایسی چیز جو یونس علیہ السلام پر سایہ کرتی اور نہ ان کے لئے غذا کا کوئی سامان تھا۔ یونس علیہ السلام جب مچھلی کے پیٹ سے نکلے تو نہایت نحیف و ناتواں اور کمزور و بیمار تھے۔ جیسا کہ فرمایا گیا:

فنبذہ بالمرأء وهو سقیم ○ (الصافات ۱۳۵)

”پھر ہم نے ان کو فراخ میدان میں ڈال دیا جبکہ وہ سقیم (بیمار) حال میں تھے۔“

چنانچہ پروردگار عالم نے ایسی حالت میں بھی ان کو اپنے فضل و رحمت سے نوازا اور ان کے لئے سائے غذا اور حفاظت کے لئے ایک بیلدار درخت اگادیا۔ فرمایا

وانبتنا علیہ شجرة من یقطن ○ (الصافات ۱۳۶)

”اور ہم نے اس پر ایک بیلدار درخت اگادیا“

یقطن عربی زبان میں ایک ایسے درخت کو کہتے ہیں جو تنے پر کھڑا نہیں ہوتا بلکہ تیل کی صورت میں پھیلتا ہے جیسے کدو (جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ کبھی اس کے پتوں کے قریب نہیں آتی) تریو زیا گلڑی وغیرہ۔ الغرض اللہ تعالیٰ نے اسی طرح کا تیل نما کوئی پودا یا درخت وہاں پر پیدا فرمادیا تھا جس کے پتے اور پھل یونس علیہ السلام کے لئے بیک وقت سائے اور غذا کا کام دیں۔ اسطرح کچھ وقت کے بعد وہ بٹنے بٹنے اور گفتار کے قابل ہوئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل و کرم تھا یونس علیہ السلام پر چنانچہ فرمایا:

لولا ان تلذذہ لعمتہ من زہنہ لنبذہ بالمرأء وهو مذموم ○ (القلم ۴۹)

”اگر اس کے پروردگار کی مہربانی اسکی یاد دہی نہ کرتی تو وہ چٹیل میدان میں پھینک دیا جاتا اور اسکا حال ابتر ہو جاتا“

اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَأَسْلَمْنَا لَمَّا مَنَّ اللَّهُ الْفَاوِزَ بَنُونَ ۝ لَأَسْلَمُوا لِمَنْ مَنَّهُمْ إِلَهٌ حَقٌّ ۝ (الصافات: ۱۳۸)

”اور ہم نے اس کو ایک لاکھ یا زیادہ لوگوں کی طرف (غیر ہنگامہ) بھیجا پس وہ ایمان لے آئے تو ہم نے بھی ان کو ایک وقت مقرر تک قائدہ حاصل کرنے کا موقع عطا کیا۔“

گویا اللہ تعالیٰ نے ایک طرف یونس علیہ السلام پر ایک معمولی سی لغزش کی وجہ سے کہ وہ اللہ کے حکم کا انتظار کئے بغیر محض اس خیال سے اپنا مقام چھوڑ کر چلے گئے تھے کہ قوم پر اللہ کی نافرمانی اور ان کی دعوت کو جھٹلانے کی وجہ سے عذاب آنے ہی والا ہے، عتاب فرمایا اور پھر ان کے اعتراف قصور کے ساتھ رجوع کرنے پر نہ صرف معاف کر دیا بلکہ ان کو اپنے خصوصی فضل و رحمت سے نواز کر ایک شدید آزمائش سے نکالا اور تندرستی عطا فرمائی۔ منصب نبوت پر سرفراز فرمایا اور برگزیدہ کیا۔ اس واقعہ میں درس عبرت ہے۔ انبیاء علیہم السلام اللہ کے بندے ہوتے ہیں اور بشریت کے تمام تقاضوں کے حامل، ان کو اپنی ذات کے لئے بھی نفع و نقصان کا کوئی اختیار نہیں ہوتا سوائے اللہ کی مشیت کے یعنی مشیت الہی کے سامنے وہ بالکل ہی بے بس و بے اختیار ہوتے ہیں۔ تقاضائے بشریت سے متصف ہونے کی بناء پر ان سے سووئیاں اور لغزش ”زلہ“ کے ارتکاب کا امکان تو ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی خصوصی حفاظت ان کے شامل حال رہتی ہے۔ یہی عصمت انبیاء کا تصور ہے۔ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ قرآن میں اگر کہیں کسی نبی کی ناداستہ اور بے قصد و ارادہ غلطی کا تذکرہ کیا بھی گیا ہے تو ساتھ ہی ان کی جانب سے معذرت و استغفار کے بعد ان کے منصب کی بحالی کا اظہار فرما کے ہر قسم کی ٹھکانہ و گستاخانہ قیاس آرائی کا سدباب فرما دیا گیا ہے۔ دراصل یہ تذکرہ ان کی بشری حیثیت کو واضح کرنے کے لئے کیا گیا ہے تاکہ بعد والے ان کو فوق البشر تسلیم کر کے اللہ کے ساتھ شریک نہ کر لیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ اللہ کے رسولؐ کی محبت و عقیدت میں غلو کرتے ہوئے کسی دوسرے نبیؐ کی شان گرانا ایمان کے منافی ہے۔ اسی غلط روش کا سدباب کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”ماہنبی لعبدان بقول انا خیر من یونس بن متی“..... (بخاری و مسلم)

ترجمہ: کسی بندہ کو یہ زیبا نہیں کہ وہ کہے کہ میں یونس بن متی سے بہتر ہوں (اور بخاری کی ایک اور

روایت میں ہے کہ جس نے یہ کہا کہ میں یونس بن متی سے بہتر ہوں تحقیق وہ جھوٹا ہے۔)

دوسری طرف جب قوم نے یونس علیہ السلام کے جانے کے بعد عذاب الہی آتے دیکھا تو اپنے نبیؐ کو تلاش کیا جو ان کو اللہ کے عذاب سے خبردار کیا کرتے تھے۔ لیکن جب ان کو کہیں نہ پایا تو سب نے اللہ کی بارگاہ میں رورو کر اور گڑگڑا کر معافی مانگی، عذاب سے بچانے کی التجا کی۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی معاف کر دیا۔ اس لئے کہ قوم نے اللہ کی طرف متعین مصلحت کے اندر رجوع کر لیا تھا اور یہ اللہ کی سنت کے خلاف تھا کہ وہ اتمام حجت سے پہلے کسی بہت سی قوم پر عذاب نازل کرے۔ اور

(باقی صفحہ ۲۹ پر ملاحظہ فرمائیں)



عبد اللہ ابن مسعود

رضی اللہ عنہ

فقیر الامت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان خوش نصیب لوگوں میں شامل ہیں جو اس وقت ایمان لائے جبکہ انبیاء علیہم السلام کی مرکزی دعوت ”الحکم الہ واحد“ کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اٹھے ہوئے تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا اور مکہ کے مشرکین ایمان لانے والوں کو شدید مصائب سے دوچار کر کے ایمان کی راہ سے ہٹانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ایک مرتبہ عبد اللہ رضی اللہ عنہ عقبہ بن ابی معیط (مشہور دشمن اسلام) کی بکریاں چرا رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر رضی اللہ عنہ پانی کی تلاش میں ان کے پاس پہنچے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا ”لڑکے تم کس بکری کا دودھ دہ کر ہمیں دے سکتے ہو؟“ انہوں نے جواب دیا کہ یہ بکریاں تو میرے پاس بطور امانت ہیں (بغیر مالک کی اجازت کے یہ خیانت ہوگی)۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا ”اچھا کوئی ایسی بکری لے آؤ جو دودھ نہ دیتی ہو“ وہ فرماتے ہیں کہ میں ایسی ہی ایک بکری لے آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں پکڑ کر دودھ اترنے کے لئے کہا تو اتنا دودھ اتر آیا کہ نبی علیہ السلام ابو بکر رضی اللہ عنہ اور میں نے خوب جی بھر کے پیا، پھر نبی علیہ السلام نے حکم دیا تو انھیں واپس اپنی حالت پر آگیا۔ تو جو ان عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے کانوں میں دعوت حق کی پکار تو پہلے ہی پڑ چکی تھی اب داعی حق کا یہ معجزہ دیکھ کر وہ سمجھ گئے کہ جو بات یہ کہتے ہیں وہی سچ ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ مجھے بھی دین حق کی تعلیم دیجئے۔ نبی علیہ السلام ان کی دیانت داری دیکھ چکے تھے، آپ نے شفقت سے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا ”تم علم والے بچے ہو۔“ یہ واقعہ انہی کی زبانی مسند احمد، بیہقی اور ابن کثیر وغیرہ میں موجود ہے۔ نبی علیہ السلام کی زبان سے ”علم والے“ کا خطاب پانچواں لے عبد اللہ رضی اللہ عنہ بعد میں بہت بڑے عالم بنے۔ اس وقت صرف چند سعید القلبر ہستیاں مشرف بہ اسلام ہوئی تھیں، چنانچہ خود فرماتے ہیں کہ ”میں چھٹا مسلمان تھا، ہمارے علاوہ زمین پر کوئی مسلم نہ تھا“ (حاکم المستدرک)۔ ایمان لانے کے بعد آپ نے نبی علیہ السلام کا بھرپور ساتھ دیا، مصائب و محالفتیں برداشت کیں، آپ کو دو ہجرتوں کا شرف ملا۔ آپ ان جلیل القدر صحابہ میں شامل ہیں جن کے بارے میں قرآن میں ارشاد فرمایا گیا۔

وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ أُولَئِكَ الْمُقَدَّمُونَ يُغْفِرُ لَهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ كُلَّ فَرَاغٍ حَلَّتْ بِخَلْفِهِمْ ذَلِكُمْ فَكَانُوا مُتَمِيزِينَ

وَرِضْوَانَهُمْ وَاعْلَاهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أُولَئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِّ كَمَا أَنَّ الْبَرَّ يَتَمَنَّى

(التوبہ : ۱۰۰)

ترجمہ : ”وہ مجاہدین و انصار جنہوں نے سب سے پہلے دعوت ایمان پر لبیک کہنے میں سبقت کی نیز وہ

جنہوں نے احسن طریقہ سے ان کی پیروی کی، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ اللہ نے ان کے لئے ایسے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ یہ عظیم کامیابی ہے۔“

عبداللہ رضی اللہ عنہ سابقون الاولون میں شامل تھے ایمان لانے کے بعد انہوں نے اپنے آپ کو نبی علیہ السلام کی خدمت کے لئے وقف کر دیا تھا اور ساتھ ہی انتہائی ذوق و شوق سے قرآن حکیم کی تعلیم کے حصول میں لگے رہتے تھے۔

شرکین مکہ کے سامنے دین کی دعوت دینے سے کبھی نہ جھجکے۔ ابن ہشام کی روایت کے مطابق مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جس نے اعلانیہ قرآن کی تلاوت کی وہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تھے، چنانچہ شرکین انہیں کیسے جہنم لینے دیتے، ان کے مظالم سے تنگ آکر آپ نے پہلے حبشہ اور پھر مدینہ ہجرت کی۔ نبی علیہ السلام نے ان کی مواخات معاذ بن جبل انصاری رضی اللہ عنہ سے کر دی اور مسجد نبوی کے پاس کچھ زمین رہنے کے لئے دی۔ سن ۲ ہجری میں غزوات کا سلسلہ شروع ہوا تو عبداللہ رضی اللہ عنہ نے غزوہ بدر سے لیکر تبوک تک تمام غزوات میں شرکت فرمائی۔ غزوہ بدر میں جب نبی علیہ السلام نے یہ فرمایا کہ کون ہے جو ابو جہل کی خبر لائے تو عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ہی اس کی موت کی خبر سنا کر نبی علیہ السلام کو خوش کیا تھا (بخاری)۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ بیعت رضوان میں شریک تھے اور ان شرکاء کے لئے اللہ تعالیٰ نے سورہ فتح میں نمایاں طور پر اپنی رضا کا اعلان فرمایا ہے۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام کے خادم خاص تھے، آپ سے بے انتہا محبت کیا کرتے تھے، سفر وغیرہ میں نبی علیہ السلام کی چادر، نکیہ، مسواک، جوتیاں اور وضو وغیرہ کا سامان اٹھایا کرتے تھے۔ (بخاری)۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے تو عبداللہ رضی اللہ عنہ کو تین پتھر لانے کا حکم دیا۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ کو دو پتھر ملے، تیسرا باوجود تلاش نہ ملا تو وہ گوبر کا ایک ٹکڑا لے آئے۔ نبی علیہ السلام نے پتھر لے لئے اور گوبر پھینک دیا (بخاری)۔ مسند احمد کی روایت میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے پھر انہیں تیسرا پتھر لانے کا حکم دیا۔ قرآن کے علم کے ساتھ تلاوت بھی خوب کرتے تھے۔ بخاری میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے ان سے فرمایا ”مجھے قرآن سناؤ“ عرض کیا ”میں آپ کو سناؤں حالانکہ آپ پر تو اترا ہے۔“ نبی علیہ السلام نے فرمایا ”میں چاہتا ہوں کہ کسی دوسرے سے سنوں۔“ چنانچہ انہوں نے سورہ النساء تلاوت فرمائی۔ خود ہی بیان کرتے ہیں کہ ”جب میں اس آیت پر پہنچا لکیف اذا جئنا من کل امۃ بشہید..... الخ (النساء : ۴۱) تو میں نے دیکھا کہ نبی علیہ السلام کی آنکھوں میں آنسو تھے۔“

صحیح بخاری میں ہی ہے کہ عبداللہ بن عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ کے سامنے ان کا ذکر آیا تو انہوں نے کہا کہ عبداللہ بن مسعود ایسے شخص ہیں جن سے میں برابر محبت کرتا ہوں، جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”قرآن چار آدمیوں سے سیکھو، عبداللہ بن مسعود سے (پہلے ان کا نام لیا)، سالم سے جو ابو حذیفہ کے آزاد کردہ غلام ہیں، ابی ابن کعب اور معاذ بن جبل سے (کتاب المناقب، باب مناقب سالم)۔“

عبداللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عادات و خصائل کو اپنانے کے بڑے دلدادہ تھے چنانچہ عبدالرحمن بن یزید

اب یہ اور بات ہے کہ نام نہاد جماعت المسلمین کے امیر نے اپنی کتاب ”تاریخ الاسلام والمسلمین“ کے صفحہ ۹۵۷ اور ۹۵۹ پر یہ الفاظ حذف کر دیے، یہ علمی خیانت و راصل منکفی قعصب ہی کا نتیجہ ہے۔

بیان کرتے ہیں کہ ”ہم نے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے کسی ایسے شخص کے بارے میں پوچھا جو خصلت اور طور طریق میں نبی علیہ السلام کے قریب ہو“ تاکہ اس سے دین کا علم حاصل کریں۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں تو عادات و خصائل میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے زیادہ کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب نہیں پاتا (بخاری کتاب المناقب۔ باب مناقب عبد اللہ)۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں اور میرا بھائی یمن سے آئے اور ایک عرصہ تک ہم ٹھہرے۔ ہم عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت میں سے سمجھتے تھے کیونکہ وہ اور ان کی والدہ نبی علیہ السلام کے پاس بہت زیادہ جایا کرتے تھے۔ (بخاری) اور مسلم میں ہے کہ بیش آپ کے ساتھ رہتے تھے۔

عبد اللہ علم حاصل کرنے اور اسے پھیلانے سے بھی بہت زیادہ شغف رکھتے تھے، فرماتے تھے ”اگر مجھے معلوم ہو کہ فلاں شخص مجھ سے زیادہ کتاب اللہ کا علم رکھتا ہے تو اگر اونٹ مجھے اس تک پہنچائے تو میں ضرور اس کے پاس سوار ہو کر جاؤں“ (بخاری۔ کتاب العلم)۔ فرماتے تھے ”اللہ کی قسم صحابہ رضی اللہ عنہم جانتے ہیں کہ میں سب سے زیادہ کتاب اللہ کو جاننے والوں میں سے ہوں لیکن میں ان سب سے بہتر نہیں ہوں“ (بخاری۔ کتاب فضائل قرآن) عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا بطور تحدیث نعت تھا۔ بخاری (کتاب العلم) کی روایت کے مطابق ہر جمعرات کو درس دیا کرتے تھے اور اپنے شاگردوں کو بڑے اہتمام سے قرأت کی تعلیم بھی دیتے تھے۔ ایک مرتبہ مشہور صحابی خباب بن الارت رضی اللہ عنہ نے ان کے شاگرد ملتقم کی قرأت سن کر تعریف کی، عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس طرح میں پڑھتا ہوں اسی طرح یہ بھی پڑھتے ہیں۔ (بخاری کتاب المغازی)

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے سوجھ بوجھ اور علم و حکمت سے نوازا تھا اور آپ لوگوں کی تعلیم و تربیت میں حکمت و مہر و عظمت کا خیال رکھتے تھے۔ ایک دفعہ ان کے ایک شاگرد نے ان سے کہا ”اے ابو عبد الرحمن میں چاہتا ہوں کہ آپ ہمیں روزانہ درس دیا کریں“ آپ نے جواب دیا کہ میں ایسا اس لئے نہیں کرتا کہ تم کو اتنا بتاؤں مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا میں موقع اور وقت دیکھ کر تمہیں نصیحت کرتا ہوں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقت اور موقع دیکھ کر ہمیں نصیحت کیا کرتے تھے“ اس خیال سے کہ کہیں ہم اتنا نہ جانیں (بخاری کتاب العلم باب من جعل لاهل العلم ایاماً مظلومہ)۔ آپ فرمایا کرتے تھے ”لوگو! جس کو علم ہو وہ اس علم کے مطابق بیان کرے اور جس کو علم نہ ہو تو اسے چاہئے کہ یہ کہے کہ اللہ جانتا ہے کیونکہ یہ بھی علم ہی ہے کہ جس بات کے متعلق نہ جانتا ہو اس کے متعلق یہ کہہ دے کہ اللہ جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی علیہ السلام سے فرماتا ہے کہ ”اے رسول آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس (علم دین) پر اجر طلب نہیں کرتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں“ (بخاری کتاب التفسیر۔ تفسیر سورہ ص)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ چنانچہ آپ نے ان سے فرمایا تھا کہ تمہارے لئے اجازت ہے کہ تم پردہ اٹھاؤ اور میری راز کی باتیں سن لو سوائے اس کے کہ (پردہ اٹھاتے دیکھیں) میں تمہیں منع کر دوں (مسلم کتاب السلام)۔ جب سورۃ المائدہ کی یہ آیت نازل ہوئی :

لَیْسَ عَلَی الْفٰنِیْنَ اٰتِیَآءٌ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنَاحٌ لِّہِمَّا طَعَمُوْا اَفَا مَا اتَقَوْا وَ اٰتِیَآءٌ..... (المائدہ

: ۹۳)

ترجمہ : ”ان لوگوں پر جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے اس چیز کے کھانے پر کوئی گناہ نہیں جو انہوں نے (حرام ہونے سے پہلے) کھائی جبکہ وہ ڈرے اور ایمان لائے“ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

انہیں خوشخبری دی کہ آپ انہی لوگوں میں شامل ہیں۔ (مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا کیا عالم تھا اس کا اندازہ انہی کے بیان کردہ واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے، فرماتے ہیں ”ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں کہیں نہیں ملے، ہم نے وادیوں اور گھاٹیوں میں تلاش کیا اور پوری رات بڑی بے چینی سے گزری۔ جب صبح ہوئی تو آپ جبل حرا کی طرف سے آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ ہم نے آپ سے پریشانی کا ذکر کیا، آپ نے فرمایا ”جنت کی طرف سے ایک قاصد آیا تھا، میں اس کے ساتھ گیا اور انہیں قرآن سنایا۔ پھر آپ ہمیں وہاں لے گئے اور ہمیں ان کے اور ان کی آگ کے آثار دکھائے“ (مسلم کتاب الصلوٰۃ باب المہربان للقرآن فی الصبح)۔ فی الحقیقت یہ حب رسول اور علم دین سے شغف ہی تو تھا جس کی بناء پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں عبد اللہ رضی اللہ عنہ بڑا علمی مقام رکھتے تھے۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ کہا تھا ”جب تک یہ عالم (عبد اللہ) تم میں موجود ہیں تم مجھ سے کوئی مسئلہ نہ پوچھا کرو۔“ (بخاری کتاب الفرائض)

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے علم والے کا خطاب پانیوالے

عبد اللہ بعد میں بہت بڑے عالم بن کر ابھرے“

عبد اللہ بن عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ کا ذکر گزر چکا ہے کہ وہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کتنی محبت کیا کرتے تھے اور ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”میں نہیں جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے زیادہ وحی الہی کا جاننے والا چھوڑا ہو۔“ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”بات یہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے جب ہم غائب ہوا کرتے تھے اور انہیں اجازت مل جاتی تھی جبکہ ہم روک دیئے جاتے تھے۔“ (مسلم۔ فضائل ابن مسعود)۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جب عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو کوفہ بھیجا تو اہل کوفہ کے نام اپنے خط میں لکھا ”میں نے عمار رضی اللہ عنہ کو تمہارا امیر اور عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو معلم اور وزیر بنا کر بھیجا ہے۔ یہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چیدہ اصحاب اور اہل بدر میں سے ہیں۔ لہذا ان کی بات خوشدلی سے سنو اور ان کی پیروی کرو۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو تمہارے پاس بھیج کر میں نے تمہیں اپنے اوپر ترجیح دی ہے۔“ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ وہ صحابی رسول ہیں جن کے قلب و لسان پر اللہ نے حق جاری کر دیا تھا اور متعدد بار آیات قرآنی سے ان کی رائے کی تائید فرمائی تھی۔ عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی علیت، فضیلت اور عظمت کے بیان میں عمر رضی اللہ عنہ کی یہ شہادت بلاشبہ بڑی وزنی ہے۔ درحقیقت صاحب فضیلت ہی صاحب فضیلت کا قدر شناس ہو سکتا ہے۔ حاکم کی ایک طویل روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”میں تم لوگوں سے اس چیز پر راضی ہوں جس پر عبد اللہ رضی اللہ عنہ تم سے راضی ہے۔“

الغرض عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب بے شمار ہیں جن میں سے ہم نے چند کا تذکرہ کیا ہے، ان کی زندگی کا ایک اور نمایاں پہلو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ اس سلسلہ میں چند واقعات پیش کئے جاتے ہیں۔

عبداللہ رضی اللہ عنہ کی عادت تھی کہ جب وہ گھر آتے تو دروازے پر پہلے کھنکارتے پھر اندر داخل ہوتے۔ ایک مرتبہ وہ گھر آئے تو بیوی زینب رضی اللہ عنہا کے گلے میں ایک دھاگہ بندھا پایا تو فرمایا ”یہ کیا ہے؟“ بیوی نے جواب دیا کہ اس پر میری آنکھ کے لئے دم کیا گیا ہے۔ آپ نے اسے توڑ کر پھینک دیا اور کہا ”اے عبداللہ کو شرک سے لیا غرض؟“ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ دم، تعویذ اور تولد (محبت کا تعویذ) سب شرک ہے۔“ روایت کے آخر میں ہے کہ پھر آپ نے زینب رضی اللہ عنہا کو ایک مسنون دعا بھی بتائی (ابن ماجہ، ابوداؤد، کتاب الطب باب تطبیق الترانم و مسند احمد) شرک سے واقعی ایسی ہی نفرت ہونی چاہئے کیونکہ یہ سب سے بڑا منکر ہے۔ خود عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ہی انمش روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ”جو اس حال میں مرے کہ اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہو تو وہ جہنم میں جائیگا“ اور پھر عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ”میں یہ بھی کہتا ہوں کہ جو اس حال میں مرے کہ اللہ کے ساتھ شریک نہ ٹھہراتا ہو تو وہ جنت میں جائے گا۔“ (مسلم، کتاب الایمان و مسند احمد)

ایک مرتبہ خباب بن الارب رضی اللہ عنہ کو سونے کی انگوٹھی پہنے دیکھا تو ان سے فرمایا ”کیا ابھی تک اسے اتارنے کا وقت نہیں آیا (یعنی آپ کو ابھی تک اس کی حرمت کا علم نہیں) تو خباب رضی اللہ عنہ نے فوراً انگوٹھی اتار دی۔ (بخاری۔ کتاب المغازی)۔ ایک موقع پر ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”اللہ نے لعنت فرمائی ہے گودنے والیوں اور گدوانے والیوں پر، ہال نوچنے والیوں پر، حسن کے لئے دانتوں کو کشادہ کرانے والیوں پر اور اللہ کی خلقت بدلنے والیوں پر“ ام یعقوب رضی اللہ عنہا نے کہا ”آپ نے اس طرح لعنت کی ہے؟“ فرمایا ”میں کیوں نہ اس پر لعنت کروں جس پر اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے اور وہ کتاب اللہ میں موجود ہے۔ ام یعقوب رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں نے تو پورا قرآن پڑھ لیا ہے اس میں تو یہ نہیں ہے۔ فرمایا ”اگر تم نے پڑھا ہوتا تو ضرور تمہیں ملتا کیا تم نے یہ نہیں پڑھا کہ جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں دے دیں اسے لو اور جس سے منع کر دیں اس سے رک جاؤ۔“ (الحشر)۔ خاتون نے کہا ”ہاں پڑھا ہے۔“ فرمایا ”تو بس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔“ انہوں نے کہا تمہاری بیوی تو ایسا کرتی ہیں۔ فرمایا جاؤ دیکھ کر آؤ۔ وہ دیکھ کر آئیں اور کہا کہ میں نے ایسی کوئی چیز نہیں پائی۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر یہ بات ہوتی تو میں اسے اپنے پاس نہیں رکھتا (یعنی طلاق دے دیتا)۔“ (بخاری۔ کتاب التفسیر سورۃ الحشر)۔ ان احادیث سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ کی نظر میں فرامین نبویؐ کی کتنی اہمیت تھی اور وہ انہیں بھی گویا کتاب اللہ ہی سمجھتے تھے۔

ایک مرتبہ نیک بن شان نے ابن مسعودؓ سے پوچھا کہ (قرآن میں) من ماء غیور امن ہے یا من ماء غیور امن؟“ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ان سے دریافت کیا کہ ”کیا تم نے اس کے علاوہ پورا قرآن پڑھ لیا ہے؟“ انہوں نے کہا ”ہاں! میں تو ایک رکعت میں مفصل کی تمام سورتیں پڑھ لیتا ہوں“ آپ رضی اللہ عنہ نے کہا ”یہ تو اشعار پڑھنے کی طرح ہے (یعنی اتنی جلدی اور زیادہ نہیں پڑھنا چاہئے)“ پھر فرمایا ”(مقریب) ایسی قومیں پیدا ہوں گی جو قرآن پڑھیں گی لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ البتہ جب (قرآن اس طرح پڑھا جائے کہ) دل میں اتر جائے تو وہ نفع دیتا ہے۔“ (مسلم کتاب الصلوۃ باب ترتیل القراءۃ)۔ ان چند واقعات سے یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بلاشبہ ان چیدہ صحابہ کرامؓ میں بلند مقام و مرتبہ کے حامل تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان پر سختی سے عمل پیرا تھے۔

من رای منکم منکرا للبیض یدہ فان لم یستطع قبلانہ و ان لم یستطع لبقلبہ و ذالک اضعف الایمان..... (مسلم)

ترجمہ :- تم میں جو کوئی منکر دیکھے اسے چاہئے کہ ہاتھ سے روک دے اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے منع کرے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل میں برا جانے اور یہ ایمان کا کمزور درجہ ہے۔

عبداللہ رضی اللہ عنہ حدیث اتنی ہی بیان کرتے تھے جتنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوتی تھی، فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص کل (یعنی روز قیامت) اللہ سے مسلم بن کر ملنا چاہے تو اسے چاہئے کہ ان نمازوں کی حفاظت کرے (مسلم)۔ الغرض عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے جبل العلم و صاحب فضل کے تذکرے حدیث و تاریخ کے صفحات میں بکھرے ہوئے ہیں اور راہ اسلام میں ان کی قربانیاں، استقامت اور ثابت قدمی کا ایک اعلیٰ نمونہ ہیں۔ ایک سچے موجد اور مخلص مسلم کا دل تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے صحابی رسولؐ کی محبت و والہانہ عقیدت کے جذبات سے سرشار ہونا چاہئے لیکن برا ہو مسلک پرستی کا کہ آج تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر بھی زبان طعن دراز ہے! روافض و نواصب تو خیر بغض صحابہؓ میں یہ طوطی رکھتے ہیں، لیکن بعض دوسرے فرقے بھی کچھ کم نہیں، مثال کے طور پر اہلحدیث اور انکا ذیلی فرقہ جماعت المسلمین جس کے امیر مسعود احمد بن ابی السی سی ہیں، یہ مسلکی تعصب کی بنیاد پر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر الزام تراشی و اتمام طرازی کی روش اپنائے ہوئے ہیں۔ ان کو سوچنا چاہئے کہ اگر صحابہ رضی اللہ عنہم پر الزام تراشی جرم ہے تو کیا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ صحابی رسولؐ نہیں ہیں؟ ان کی نظر میں ان کا قصور یہ ہے کہ وہ تکبیر اقتحاح کے علاوہ رفع الیدین نہیں کرتے تھے اور امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کی قرأت کے قائل نہ تھے۔ دراصل انہی چند فروعی اختلافی مسائل پر (جو

”ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد ابن مسعود رضی اللہ عنہ

سے زیادہ وحی الہی کا جاننے والا چھوڑا ہو“

دور صحابہ میں موجود تھے) مسلک اہلحدیث اور ان کے ذیلی گروہ، نام و نہاد جماعت المسلمین کا انحصار ہے بلکہ ان پر تو ان کی موت و زندگی کا دارومدار ہے! اگر یہ عبداللہؓ کو قبیحہ تسلیم کر لیں، جیسا کہ ان کا حق ہے، تو ان کے موقف و مسلک کی عمارت یکسر منہدم ہو جائے گی۔ لہذا یہ دونوں گروہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر طرح طرح کی الزام تراشیاں کرتے رہتے ہیں۔ انہیں عقائد و ایمانیات، توحید و شرک اور دطاغوت کے عنوانات سے واجبی سائی تعلق ہے کیونکہ دیگر فرقوں کی طرح یہ خود ایمان و عقیدہ میں کفر و شرک سے آلودہ ہیں۔ مثال کے طور پر مندرجہ ذیل چیزیں ان کے عقیدے میں شامل ہیں:-

☆ جسد غصری میں قیامت سے پہلے ہی روح لوٹ آنا

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر میں زندہ ماننا

☆ درود و سلام اور دیگر اعمال کا ان پر پیش ہونا

اس طرح انہوں نے اللہ تعالیٰ کی صفات اور حقوق و اختیارات میں اس کے بندے کو شریک ٹھہرایا ہے۔ غور کیجئے کہ جب اکابر پرستی کا نشہ اس طرح قلب و ذہن پر طاری ہو جائے کہ شرک کو شرک نہ سمجھا جائے اور ایمان کی کوئی اہمیت باقی نہ ہے تو پھر ایسے اکابر پرستوں کی زد میں اگر صحابی رسول بھی آجائے تو کیا تعجب ہے! ابھی اس محترم فقیر الامت اور بہترین قاری پر الزام لگاتے ہیں کہ وہ قرآن صحیح نہیں پڑھتے! اور اس کی دلیل میں جو چند روایتیں پیش کرتے ہیں ان سے محض اختلاف قرات ہی ثابت ہوتا ہے اور اختلاف قرات میں بھی وہ اکیلے نہیں بلکہ دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی اختلاف قرات روایات سے ثابت ہے۔ پھر عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی کو ہدف بنانا مسلک پرستی کا شاخسانہ نہیں تو اور کیا ہے؟ اختلاف قرات کے مسئلہ پر ابو بکر ابن ابی داؤد کی کتاب "المصاحف" ملاحظہ کی جاسکتی ہے اور دیگر کتب احادیث اور آثار بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔ ان دلائل و شواہد سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ الزام تراشی بے بنیاد بلکہ محض افتراء پر دازی ہے۔ اب سطور ذیل میں ہم ان مسلک پرستوں کی تنگ نظری اور بغض صحابہ کے کچھ اور نمونے پیش کرتے ہیں۔

نام نہاد جماعت المسلمین کے امیر مسعود احمد صاحب اپنی مسکنی صلوٰۃ کا دفاع کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"بالفرض اگر ابن مسعود کی حدیث حسن یا صحیح بھی ہو تو ایک صحابی کی روایت تمام صحابہ کے مقابلے میں بچ ہے پھر ابن مسعود سے اور بھی بہت سی بھول ہو گئی ہیں جن میں سے چند پہلے لکھ چکا ہوں۔ اسی لئے امام ابو بکر بن اسحاق نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث دفع یدین کی حدیث کے مساوی نہیں ہو سکتی۔۔۔۔۔ اور ابن مسعود کا اس کو بھول جانا کچھ تعجب نہیں کیونکہ وہ مسود تین کا قرآنی سورتیں ہونا بھول گئے، تخلیق کا منسوخ ہونا بھول گئے۔۔۔۔۔" (غیرہ وغیرہ)

اور اس طرح دس باتیں گنوا کر کہتے ہیں:-

"یہ گیارہویں بھول ہے" (طاش حق ص ۸۶)

پھر اسی کتاب میں اس سرفی کے ذیل میں کہ "حضرت عبد اللہ بن مسعود کو اوائل اسلام کی نمازیں یاد رہیں" لکھتے

ہیں:-

"عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی عدم رفع کی حدیث کے متعلق ایک بات یاد آئی، وہ یہ کہ ان کی نماز میں منسوخ شدہ یا اوائل اسلام کی بعض باتیں بھی شامل ہو گئیں ہیں۔ معلوم نہیں انہیں تاریخ و منسوخ کا علم ہوا یا نہیں اور اگر ہوا تو بڑھاپے میں یا اس سے پہلے ہی بعض باتوں کو بھول گئے۔" (ص ۹۰)

ذرا غور فرمائے! کہ ان الفاظ سے کس قدر بغض و کدورت چھلکتی ہے، ایک جلیل القدر صحابی رسولؐ کی شخصیت سے! پھر کوئی مسکنی عصیت سے آلودہ دل کا غبار اس طرح نکالتا ہے کہ چونکہ عبد اللہ پرست قدامت پسند ہو سکتا ہے کہ وہ آپؐ کو رفع الیدین کرتے نہ دیکھ سکے ہوں! قابل غور بات یہ ہے کہ محدثین اور ماہرین رجال تو جرح و تعدیل کو تابعین تک ہی محدود رکھتے ہیں جبکہ یہ فرقہ پرست، تہلید اعمیٰ اور ذہن پرستی کا شکار تمام اخلاقی حدود پھلانگ کر ایک جلیل القدر صحابی کی تنقیص اور عظیم المرتبہ فقیہ کی کردار کشی سے بھی باز نہیں رہتے۔ مسکنی عصیت نے ان کو بالکل ہی اندھا کر دیا ہے اور اللہ کے اس فرمان کے مصداق بن گئے ہیں۔ لاناہا لا تعمی الابصار ولكن القلوب التي فی الصدور (الحج : ۳۶)

ترجمہ : "اس لئے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔"

ہرچند کہ یہ الزام تراشیاں مسکئی بغض و عنیت ہی کا غیر سنجیدہ مظاہرہ ہیں اور اس لائق نہیں کہ اس پر علمی بحث کی جائے پھر بھی مغالطہ آرائی اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر لوگوں کے اعتماد کو ٹھیس پہنچانے کے لئے شیطانی مہم کا سد باب ہونا چاہئے چنانچہ فی الحال ان کے دو بڑے اعتراضات کا علمی جائزہ پیش کیا جاتا ہے جن کو اہلحدیث اور ان کے ذیلی فرقے کچھ زیادہ ہی اچھالتے ہیں۔

”ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بات یہ ہے کہ وہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے جب ہم غائب ہوتے

اور انہیں اجازت مل جاتی جب ہم روک دیئے جاتے“

۱۔ عبد اللہ رضی اللہ عنہ معوذتین کا قرآنی سورتیں ہونا بھول گئے تھے۔

۲۔ انھیں عدم رفع الیدین والی نماز یاد رہی۔

ان الزامات کا علمی جائزہ پیش کرنے سے قبل یہ عرض کر دینا بھی مناسب ہو گا کہ عبد اللہ ابن مسعودؓ پر الزام نمبر ۱ کے سلسلہ میں مودودی صاحب بھی ان کے ہمنوا ہیں۔ ان کے بیباک قلم کی کارستانی ملاحظہ ہو فرماتے ہیں:

”صحیح سندوں کے ساتھ یہ بات ثابت ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان کے قرآنی سورتیں ہونے کا انکار کیا ہے۔“ (تفہیم القرآن جلد ششم صفحہ ۵۳۹)

صحابہ کرام کے متعلق مودودی صاحب کا مخصوص انداز فکر ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

”اس مقام پر اگر آدمی کچھ غور کرے تو اس کی سمجھ میں یہ بات اچھی طرح آسکتی ہے کہ صحابہ کرام کو بے خطا سمجھنا اور ان کی کسی بات کے لئے غلط کالفظ سننے ہی تو ہیں صحابہ کا شور مچا دینا کس قدر بے جا حرکت ہے۔ یہاں آپ دیکھ رہے ہیں کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ جیسے جلیل القدر صحابی سے قرآن کی دو سورتوں کے بارے میں کتنی بڑی چوک ہو گئی۔ ایسی چوک اگر اتنے عظیم مرتبے کے صحابی سے ہو سکتی ہے تو دوسروں سے بھی کوئی چوک ہو جانی ممکن ہے۔“ (تفہیم القرآن جلد ششم صفحہ ۵۵۲)

مودودی صاحب کے علم و آگہی کی انتہا یہ ہے کہ انہوں نے تو ان کا رد بھی فرما دیا ہے۔ جو ابن مسعودؓ پر اس الزام کو جاننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

”کچھ دوسرے بزرگوں مثلاً امام نووی امام ابن حزم اور امام فخر الدین رازی نے سرے سے اس بات ہی کو

جھوٹ اور باطل قرار دیا ہے کہ ابن مسعود نے ایسی کوئی بات کہی ہے۔ مگر مستند تاریخی حقائق کو بلا سند رد کر دینا کوئی علمی طریقہ نہیں ہے۔" (تفہیم القرآن جلد ششم صفحہ ۵۳۹)

یہ تو ان کا اپنا انداز ہے کہ قرآن و صحیح احادیث سے متصادم غیر معتبر روایات کو ایک جلیل القدر صحابی کی علییت و حجت پر تنقید کی بنیاد بنا کر اس کو زور قلم کے سارے "مستند تاریخی حقائق" قرار دے رہے ہیں۔ قرآن و حدیث کے ساتھ اس سے زیادہ ستم ظریفی اور کیا ہوگی! اب ان الزامات کا مختصر علمی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

پہلے الزام کا ازالہ: قارئین! آپ پہلے ہی پڑھ چکے ہیں کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ کے علم قرآن اور فقہائیت کی گواہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے دی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم میں ان کا نمایاں مقام ثابت کرنے کے لئے قرآن و صحیح احادیث کی صریح شہادت کے بعد یہ الزام کہ عبداللہؓ معوذتین کو قرآن میں شامل نہیں سمجھتے تھے انتہائی کم علمی اور بے جا مبالغہ کا مسحکہ خیز انداز ہے۔ علامہ ابن حزم (المتوفی ۵۶۱ھ) اپنی کتاب المحلی میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

۱۔ "ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصنف میں معوذتین اور سورہ فاتحہ نہ ہونے کی ہر روایت جھوٹی اور گھڑی ہوئی ہے کیونکہ قرآن عام عن زر بن حبیش عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ ثابت ہو چکی ہے اور اس میں سورہ فاتحہ اور معوذتین موجود ہیں۔" (المحلی جلد ۱ ص ۱۷۱)

جلال الدین سیوطی (المتوفی سنہ ۹۱۱ھ) لکھتے ہیں۔

۲۔ "تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ معوذتین اور سورہ فاتحہ قرآن کا جزو ہیں اور جو اس کا انکار کرے گا وہ مسلمان نہیں رہ سکتا" اور جو عبداللہ بن مسعودؓ کی طرف نسبت کی گئی ہے وہ جھوٹ ہے ہرگز صحیح نہیں۔" نووی (المتوفی سنہ ۶۷۶ھ) شرح صحیح مسلم جلد نمبر ۱ صفحہ نمبر ۷۲ پر لکھتے ہیں۔

۳۔ "اس میں واضح دلیل ہے معوذتین کا قرآن میں سے ہونے پر اور وہ اس شخص پر جس نے ابن مسعودؓ کی طرف اس کے خلاف منسوب کیا ہے۔"

اور شرح منہج میں فرماتے ہیں۔

"ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے جو روایت کیا گیا ہے وہ باطل ہے درست نہیں"

فخر الدین رازی (المتوفی سنہ ۶۰۶ھ) تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں۔

۴۔ "غالب گمان یہی ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول یہ بات جھوٹ اور باطل ہے"

نواب صدیق حسن خان بھوپالی (الحدیث) لکھتے ہیں۔

۵۔ "علامہ نووی نے منہج میں کہا ہے کہ جو بات انکار معوذتین کی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کی جاتی ہے وہ صحیح نہیں بلکہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے قواثر کے ساتھ روایات

ہمارے نزدیک ثابت ہیں جن میں حضرت عبداللہؓ نے خود فرمایا ہے کہ معوذتین قرآن میں سے ہیں اور ان کے بغیر قرآن کا ختم بھی مکمل نہیں ہوتا (علامہ نووی فرماتے ہیں) کہ یہ احادیث کئی سندوں سے صحیح ثابت ہو چکی ہیں اور معوذتین کے قرآن ہونے پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہو چکا ہے۔ " (تذیل الاثر ص ۳۳) اسی صفحہ پر مزید لکھتے ہیں۔

۶۔ "امام طبرانی نے اپنی کتاب الاوسط میں ایک حدیث کا اخراج کیا ہے جس کے تمام راوی ثقہ ہیں کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب نبی کریمؐ نے فرمایا کہ مجھ پر قرآن مجید کی چند ایسی آیتیں نازل ہوئی ہیں کہ ان بھی شان والی (تعوذ کے باب میں) اور نازل نہیں ہوئیں اور وہ آیات معوذتین ہیں۔"

پس ثابت ہوا کہ معوذتین کے انکار کی نسبت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف محض جھوٹ و افتراء ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں اور ایسے کفر کو کسی صحابیؓ کی طرف منسوب کرنا بڑی دیدہ دلیری ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یاد رکھنا چاہئے کہ "لا تسبوا صحابی" (میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو برا مت کہو)۔ یہ الزام تراشی اور افتراء پر دازی بغض صحابہؓ کی بدترین مثال ہے۔ ابوذرؓ کہتے ہیں:

"جب تم کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیؓ پر تنقید کرتا دیکھو تو یقین کر لو کہ وہ زندیق اور بد اعتقاد ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برحق ہیں اور قرآن بھی برحق ہے اور ہم تک تو یہ قرآن کریم اور سنن نبویہؐ صحابہ کرامؓ نے ہی پہنچائی ہیں تو ایسے لوگ چاہتے ہیں کہ ہمارے گواہوں کو بھروسہ کر دیں تاکہ کتاب و سنت سے اعتماد اٹھ جائے حالانکہ یہ لوگ خود جرح کے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ یہ زنادقہ اور بے دین ہیں۔" (کفایہ فی علم الراوی صفحہ ۳۹ خطیب بغدادی)

یہ قول متعدد علماء اصول حدیث نے روایت کیا ہے۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ کیا یہ مسلک پرست اپنے آپ کو زنادقہ میں شمار کرنا پسند کریں گے؟

دوسرے اعتراض کا ازالہ۔ رکوع سے قبل اور رکوع کے بعد رفع الیدین اور عدم رفع الیدین (رفع الیدین کہنا یا نہ کرنا) دونوں عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں اس لئے دونوں ہی کو درست سمجھنا اور دونوں ہی پر عمل کرنا چاہئے۔ یہ ایک فروعی مسئلہ ہے جو قرون اولیٰ سے چلا آرہا ہے اور کبھی صحابہؓ یا تابعینؓ وغیرہ میں اختلاف و جنگ و جدل کا سبب نہیں بنا بلکہ اس کی حیثیت محض ترجیح کی رہی ہے یعنی بعض نے رفع الیدین کو ترجیح دی اور بعض نے عدم رفع الیدین کو۔ خود نبی علیہ السلام سے ان کے بارے میں کوئی قوی حکم ثابت نہیں۔ رفع الیدین کو ثابت کرنے والی احادیث تقریباً تمام کتب حدیث و آثار میں موجود ہیں عدم رفع الیدین کی دلیل میں بھی متعدد روایات ہیں جن میں جامع ترمذی کی مندرجہ ذیل روایت بہت واضح اور صریح ہے۔

”مقدمہ سے روایت ہے کہ عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا میں تمہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز نہ پڑھ کر بتاؤں؟ (یعنی یہ کہ آپؐ کس طرح صلوٰۃ ادا کیا کرتے تھے) پس آپؐ نے صلوٰۃ ادا کی اور سوائے پہلی بار رفع الیدین نہ کیا۔“ اس باب میں برام بن عازب رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے۔ ابو عیسیٰ (امام ترمذی) کہتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن ہے ”متحد علماء صحابہ و تابعین“ کا یہی عمل ہے اور یہی کہنا ہے سفیان ثوری اور ابی کوفہ کا۔“

ترمذی کا اس روایت پر تبصرہ اس پروپیگنڈے کی قلعی کھولنے کے لئے کافی ہے کہ رکوع و سجود میں رفع الیدین کے بغیر صلوٰۃ ہی نہیں ہوتی۔ اس پروپیگنڈے اور باطل موقف کے مطابق تو متعدد صحابہؓ اور تابعینؓ کی صلوٰۃ باطل قرار پاتی ہے، وہ جو جمل صریح!

ابن حزم عبد اللہ ابن مسعودؓ کی اسی روایت پر المصنفی میں بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔
 ”لیکن ترک رفع الیدین کی خبر صحیح ثابت ہے تو ہم نے معلوم کیا کہ تکبیر افتتاح کے بعد رفع الیدین محض سنت اور مستحب ہے۔“ (جلد ۳ صفحہ ۸۸)
 اور دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

”پس جب خبر صحیح سے ثابت ہوا کہ نبی علیہ السلام تکبیر افتتاح کے بعد ہر اونچ نیچ میں رفع الیدین کرتے تھے اور یہ بھی ثابت ہے کہ رفع الیدین نہیں کرتے تھے تو یہ سب (رفع و عدم رفع) مستحب ہے اس میں کوئی فرض نہیں۔ بس ہمیں صلوٰۃ اسی طرح ادا کرنی چاہئے جس طرح رسول اللہؐ نے ادا کی ہے۔ اگر ہم نے رفع الیدین کر لیا تو ہماری صلوٰۃ ہو گئی اسی طرح جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا کی اور نہیں کیا تو بھی اسی طرح ہو گی جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادا فرماتے تھے“ (جلد ۳ صفحہ ۲۲۵)

اسی حدیث کی شرح میں احمد محمد شاہر (جو کہ عصر جدید کے ایک محقق گذرے ہیں) شرح جامع ترمذی میں لکھتے ہیں۔
 ”اس حدیث کو ابن حزم نے المصنفی میں صحیح کہا ہے۔ اور دوسرے محدثین نے بھی صحیح قرار دیا ہے۔ اور یہ حدیث صحیح ہے۔ اور بعض لوگوں نے جو اس میں غلط بیان کی ہیں۔ وہ حقیقتاً کوئی علت نہیں ہے۔“

یہی بات ان کے دو شاگردوں شعیب الاثاوط اور زبیر الشاوش نے ”شرح السنہ“ جلد نمبر ۳ صفحہ ۲۳ میں کہی ہے۔
 مسلک پرستی کا شاخسانہ دیکھئے کہ حنفیوں نے حدیث رفع الیدین عند الركوع کا انکار کیا تو اہلحدیث نے عدم رفع الیدین کی حدیث کا انکار کر کے حدیث دشمنی کا ثبوت بہم پہنچایا۔ یہاں اس حدیث کی صحت کے متعلق انہی لوگوں کے حوالے پیش

مسلک ذہن نظر حدیث کے انکاری مسعود احمد صاحب بی۔ ایس سی ’ان کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ فرماتے ہیں ”علامہ احمد محمد شاہر علامہ الیانی کے پیشرو ہیں۔ انہوں نے تحقیق کا دروازہ کھولا، وہ بہت بڑے محقق تھے۔“ (پمفلٹ ”امام کے دو سیکے“ ص ۳۳)

کہے گئے ہیں جو بزم خویش غیر مقلد ہیں۔ یعنی ان میں کوئی حنفی المذہب نہیں ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ”فرقہ اہل حدیث“ کے پیشوا ناصر الدین البانی کا اس حدیث پر تبصرہ بھی نقل کر دیا جائے۔ وہ لکھتے ہیں:-

والحق انه حديث صحيح و اسناده صحيح على شرط مسلم، ولم نجد لمن اعلم حجته يصلح التعلق

بها ورد الحديث من اجلها (مكتوبة المسامح ج ۱ ص ۳۲ حدیث رقم ۸۹)

”اور حق یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور اس کی اسناد شرط مسلم پر صحیح ہیں اور جس کسی نے اسے معلول قرار دیا ہے اس کے پاس ہم نے کوئی ایسی دلیل نہیں پائی جس کی بناء پر اسے معلول قرار دیا جائے اور حدیث کو اس وجہ سے رد کر دیا جائے۔“

اس روایت پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ عبد اللہ ابن مبارکؒ نے کہا کہ ”لم يثبت حديث ابن مسعود ان النبي صلى الله عليه وسلم لم يرفع يده الا في اول مرة“ یعنی ابن مسعودؓ کی حدیث کہ ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے پہلی بار کے ہاتھ نہیں اٹھائے“ ثابت نہیں (ترمذی)

اس اعتراض کو پیش کرنے والوں کی یہ مسلکی مصیبت ہی ہے کہ جس نے انہیں اندھا کر دیا ہے کیونکہ ان کا اپنا اصول ہے کہ جب حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو کسی امام کا کوئی قول قابل قبول نہیں۔ چنانچہ عبد اللہ ابن مسعودؓ کی ترک رفع الیدین کی حدیث کے صحیح ثابت ہونے کے بعد مترنین کو عبد اللہ ابن مبارکؒ کا یہ قول فائدہ نہیں دیتا ہے۔ علاوہ بریں عبد اللہ ابن مبارکؒ کا یہ اعتراض زیر بحث روایت پر نہیں ہے۔ ہماری پیش کردہ حدیث عبد اللہ ابن مسعودؓ کے شاگرد کی بیان کی ہوئی ایک قطعی مرفوع روایت ہے اور ابن مبارکؒ کا اعتراض عبد اللہ کی کسی قولی روایت پر ہے۔ دراصل حدیث کی بہت سی کتابوں میں یہ روایت مختلف اسناد کے ساتھ مختلف الفاظ میں آئی ہے۔ بہر حال ترمذی کی اس روایت کا ابن مبارکؒ کے الفاظ سے تقابل کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ ان کا اعتراض اس پر نہیں ہے بلکہ کسی اور روایت پر ہے۔ لہذا یہ روایت بالکل صحیح ہے۔

ابو زرہ کہتے ہیں کہ جب تم کسی کو صحابی رسولؐ پر تنقید کرتا دیکھو تو

یقین کر لو کہ وہ زندیق اور بد اعتقاد ہے“

اس روایت کی سند کے ایک راوی عاصم بن کلیب پر بھی اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ ضعیف ہے جبکہ یہ راوی صحیح مسلم کا ثقہ راوی ہے اور مسعود احمد صاحب کے قاعدے کے مطابق تو اس پر کوئی جرح ہو بھی تو وہ کالعدم ہوگی جیسا کہ انہوں نے ”ذہن پرستی“ میں زاذان کی قرآن و حدیث کے خلاف روایت کے بارے میں لکھا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ یہی عاصم (باتیں صفحہ ۲۹ پر ملاحظہ فرمائیں)

قرآن و حدیث کے تناظر میں

اہل بیت



کلر طیبہ پڑھنے والوں میں سے کچھ لوگوں نے یہ عقیدہ ایجاد کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت قاطبہ رضی اللہ عنہما علی رضی اللہ عنہ اور حسن و حسین رضی اللہ عنہما چار ہستیاں ہیں اور ازواج النبی یعنی امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن ان میں شامل نہیں۔ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ کوئی بھی کلر کہہ کر اس وقت تک مسلم و مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ ازواج مطہرات و امہات المؤمنین کو حقیقی اہل بیت نہیں مان لیتا۔ قرآن مجید کھولئے۔ سورۃ احزاب نکالئے اور آیات ۲۸ تا ۳۳ کا بغور و فکر مطالعہ کیجئے۔

لَا يَأْتِي النَّبِيَّ قُلٌّ إِلَّا زَوْجًا أَوْ كَتَنَ تَرْدَنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَ زَيْتَهَا لَتَعَالَيْنَ أَسْرَحَكْنَ
سَرَا حًا جَمِيلًا ○ وَأَنْ كَتَنَ تَرْدَنَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالنَّارُ الْآخِرَةُ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا
عَظِيمًا ○ يُنْسَاءُ النَّبِيُّ مِنْ بَنَاتٍ مِنْكُنَّ بِمَا حَفَظَ مَهِيْمَةً يَضَعُ لَهَا الْعَذَابَ فَعَلَيْنَ ط وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى
اللَّهِ يَسْرًا ○ وَمَنْ يَفْتَنِ مِنْكُنَّ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَتَعْمَلْ مَالًا نَوْتَهَا أَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۚ وَاعْتَنَّا لَهَا
رِزْقًا كَرِيمًا ○ يُنْسَاءُ النَّبِيُّ لِسِتْنِ كَا حِدٍ مِنَ النِّسَاءِ أَنْ اتَّقَيْنَ لَلَا تَغْضَبْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي لِي
قَلْبُهُ مَرْضٍ وَقُلْنَ قَوْلًا مَعْرُوفًا ○ وَلَرْنَ لِي يُوْتَكُنَّ وَلَا تَبْرَجْنَ تَبْرَجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى وَالْمَن
الْمَلُوءَةُ وَاتْنِ الزَّكَاةَ وَاطْعَنِ اللَّهُ وَرَسُولُهُ ط إِنَّمَا يَرِيْدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ
وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ○ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَى لِي يُؤْتَكُنَ مِنْ أَيْتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ ط إِنْ اللَّهُ كَانَ لَطِيفًا
خَبِيرًا ○ (الاحزاب : ۲۸-۳۳)

(ترجمہ)۔ ”اے نبیؐ) اپنی بیویوں سے کہو۔ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہو تو ان میں تمہیں کچھ دے دلا کر بھلے طریقے سے رخصت کر دوں۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور دار آخرت کی طلبگار ہو تو جان لو تم میں سے جو نیکو کار ہیں اللہ نے ان کے لئے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔ اے ازواجِ نبیؐ! تم میں سے جو کوئی کسی صریح فحش کا ارتکاب کرے گی اسے دگنا عذاب دیا جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کے لئے یہ آسان ہے۔ اور تم میں سے جو کوئی اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت و فرماں برداری کرے گی اور نیک عمل بجا لائے گی اسے ہم دہرا اجر دیں گے۔ اور اس کے لئے ہم نے رزق کریم تیار کر رکھا ہے۔ اے ازواجِ نبیؐ! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ اگر تم اللہ سے ڈرنے والی ہو تو دہلی دہلی زبان سے بات نہ کیا کرو کہ دل کی خرابی میں جلا کوئی شخص لالچ میں پڑ جائے۔ بلکہ صاف سیدھی بات کرو۔ اپنے گھروں میں (باوقار طریقے سے) قرار پکڑو اور سابق دور جاہلیت کی سی جج دجج نہ دکھاتی پھرو۔ سلوۃ قائم کرو، زکوٰۃ ادا اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اللہ تو یہ چاہتا ہے تم اہل بیت سے گندگی کو دور کروے اور تمہیں خوب طرح سے پاک کر دے۔ یاد رکھو اللہ کی آیات اور حکمت کی ان باتوں کو جو تمہارے گھروں میں تمہیں سنائی جاتی ہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ باریک بین اور باخبر ہے۔“

آیات بالا میں شروع سے آخر تک ازواجِ النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے۔ انہی کے بارے میں ساری باتیں ہیں، انہی کی فضیلت کا بیان ہے۔ انہی کو نافرمانی کی صورت میں دہرے عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ انہی کو سابقہ جاہلیت کی جج دجج سے منع کیا گیا ہے۔ انہی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریک حیات بنے رہنے یا علیحدہ ہو جانے کا اختیار دیا گیا ہے۔ انہی کو کامل پاکیزگی کا مژدہ سنایا گیا ہے اور انہی کو اہل بیت کہا گیا ہے۔ آیات مذکورہ میں جو کچھ بھی کہا گیا ہے یہ صرف ازواجِ النبیؐ کو محیط ہے۔ کسی اور کے لئے یہاں کوئی گنجائش ہے نہ قرینہ۔ ان آیات میں سے ازواجِ مطہرات کو خارج کر کے دوسروں کو زبردستی داخل کرنا ایک ایسی سنگین اور منافی جسارت ہے کہ بڑے سے بڑے دشمن اسلام کو بھی ایسا تصور کرتے وقت اپنے علم کو صفر درجے پر لانا پڑے گا لیکن اس عقیدہ بندہ ایجاد پر ڈٹ جانے والوں نے اپنے کمزور موقف کے تحفظ میں عربی قواعد کے بظاہر لاجواب کر دینے والے ایک نکتے کا سہارا لیا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ عربی زبان سے بے بہرہ یا سطحی علم رکھنے والا لاجواب ہو جاتا ہے۔ عوام سے اس قسم کی علمی موشگافی، جستجو یا تحقیق کی توقع رکھنا ایسا ہی ہے جیسے پرائمری اسکول کے کسی طالب علم سے یہ توقع رکھنا کہ وہ قرآن، حدیث اور فقہ پر ایک مقالہ سپرد قلم کر دے۔ لیکن عربی کی فصاحت و بلاغت سے آشنا کسی بھی فرد کے لئے یہ معاملہ کسی البصن کا باعث نہیں ہو سکتا۔ قرآن کو باریچہ اطفال اور کمالات کا تختہ مشق بنانے والوں کو ان آیات کے خوردبینی اور دوربینی مطالعہ کے بعد جو کچھ بھائی دیا وہ عجی چنی سے عربی ضمیر ”کم“ پکڑ کر لے اڑنے کے سوا کچھ نہیں۔ وہ بڑی ہی زوردار دلیل (بزمِ خویش) یہ دیتے ہیں کہ۔ ”ان آیات میں شروع سے آخر تک جمع غائب مونث کا صیغہ آیا ہے مگر ایک آیت کے آخر میں جمع غائب مذکر کی ضمیر ”کم“ آتی ہے جس سے یہ

ثابت ہوتا ہے کہ یہ آیت تطہیر فاطمہؑ، علیؑ، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کے لئے مخصوص ہے۔ انہی الی سطور میں قرآن مجید ہی کے حوالے سے اس منجملہ خیز اور باطل عقیدے کی تردید کی جا رہی ہے۔ یہ کننادی لچھی و عبرت سے خالی نہیں کہ اہل سنت والجماعت کھلانے والوں میں سے بھی بہت لوگوں کا عقیدہ یہی ہے!

ہماری تحقیق اور استدلال کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ لفظ ”اہل“ جب بھی لفظ ”بیت“ کی نسبت سے آئے گا تو اس کے لئے ہمیشہ جمع مذکر ہی کا صیغہ آتا ہے خواہ واحد ہو، تنقید ہو، جمع ہو، مذکر ہو یا مؤنث، ہر صورت میں جمع مذکر ہی آتا ہے۔ بلکہ بعض حالات میں بیت کی نسبت کے بغیر ہی جمع ذکر آتا ہے۔ سب سے پہلے قرآن مجید سے مثالیں پیش کی جاتی ہیں :-

○۔۔۔ سورۃ ہود کی آیات ۷۱ تا ۷۳ سنائے رکھئے۔ ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتے آتے ہیں۔ انہیں اولاد کی بشارت دیتے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام کی بیوی یاسیٰ کھڑی ہیں۔ یہ بات سن کر یاسیٰ پڑتی ہیں اور کہتی ہیں۔ ”ہائے میری کم بختی! کیا اب میرے ہاں اولاد ہوگی جبکہ میں بالکل ہی بوڑھی ہو گئی ہوں اور میرے شوہر بھی بوڑھے ہو چکے ہیں؟ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔“ یہ سن کر فرشتے کہتے ہیں :

أَتَعْجِبِينَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ رَحْمَةُ اللَّهِ وَرَحْمَةُكَ عَلَيْهِمْ أَهْلُ الْبَيْتِ.....

”کیا تم تعجب کرتی ہو اللہ کے حکم پر؟ تم پر اللہ کی رحمت اور برکتیں ہوں“

عربی زبان کا ایک مبتدی بھی جانتا ہے کہ ”تعجبین“ واحد مخاطب مؤنث کا صیغہ ہے۔ جو نئی ”اہل بیت“ آیا یہ جمع مخاطب مذکر ”کم“ کے صیغے میں آیا۔ نمنا یہ بھی ذہن میں رکھئے کہ فارسی میں ”بیت“ کو ”خانہ“ کہتے ہیں اور فارسی ترکیب میں بیوی کے لئے اہل خانہ آتا ہے۔ جسے عربی زبان کے سانچے میں ڈھالیں تو ”اہل بیت“ ہوتا ہے۔ جیسا کہ فرشتے اپنے خطاب میں کہتے ہیں..... ”اے ابراہیم کے اہل بیت! کیا تم اللہ کے امر پر تعجب کرتی ہو؟“

○۔۔۔ اب سورۃ طٰہ کی آیات ۱۳ اور ۱۴ سنائے رکھئے۔ موسیٰ علیہ السلام مدین سے مصر کے واپسی سفر پر ہیں۔ ان کے ساتھ ان کی بیوی ہیں۔ سخت سردی کا زمانہ ہے۔ سینا کی وادی ہے اور ایک صورت حال سے دوچار ہیں۔ اپنی بیوی کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں : (عربی متن ملاحظہ ہو)

”إِذْ رَأَوُا فَجَالَ لَاهِلًا امْكُتُوا أُنْزِلَتْ نَارًا.....“

”جب اس نے ایک آگ دیکھی تو اپنے اہل سے کہا: ذرا ٹھہرو! میں نے آگ دیکھی ہے۔“

اس خطاب میں وہ اپنی بیوی کو جمع ذکر کے صیغے امْكُتُوا میں لے آتے ہیں۔ اور اس کے بعد ایک اور بات کہتے ہیں۔ ”لَعَلِّي أَنْتُمْ مِنْهَا قَبَسٌ“ : ”شاید کہ اس میں سے میں تمہارے لئے کوئی انگار لے آؤں۔“ عربی زبان کی معمولی سی شدہ بدھ رکھنے والا بھی یہ جانتا ہے کہ ”کم“ جمع مخاطب مذکر کے لئے آتا ہے۔ لیکن یہاں واحد مخاطب مؤنث کے لئے آیا ہے۔ اس ضمن میں یہ بتادینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ لفظ ”اہل“ شادی کے لئے بھی آتا ہے۔ مثلاً اہل : شادی کرنا یا شادی ہونا۔ اہل : شادی کرنا یا زوجیت میں دینا۔ اہل الرجل : بیوی (بحوالہ القاموس العصري، ناؤرن عربی

اکیلا لفظ ”احل“ دیگر معنوں میں بھی آتا ہے جیسے اہل علم، اہل وطن، اہل خدمت، اہل چمن، اہل قرآن وغیرہ لیکن یہی لفظ جب ”بیت“ کے ساتھ آتا ہے تو اس کا اس کے معنی بیوی کے ہوتے ہیں۔

○۔۔۔۔۔ اب سورۃ النمل کی ساتویں آیت دیکھئے۔ موسیٰ علیہ السلام ہی کا قصہ ہے۔

اذلال موسیٰ لاهلہ انی انت ناراذہ ساتکم منها بخیر او اتکم بشہاب لبس لکم تصطلون

”جب موسیٰ نے اپنے اہل (بیوی) سے کہا کہ مجھے ایک آگ سی نظر آئی ہے۔ میں ابھی یا تو وہاں سے کوئی خبر

لے آتا ہوں یا کوئی انکار ہی جن لاتا ہوں مگر تم آگ تاپ سکو۔“

دیکھئے، اکیلی بیوی ہے جنہیں موسیٰ علیہ السلام تین یا جمع مخاطب مذکر ”کم“ کے صنف میں لاتے ہیں۔

○۔۔۔۔۔ ہم نے سورۃ صود کی آیات ۷ تا ۱۷ میں دیکھا کہ ابراہیم علیہ السلام کی بیوی کو فرشتوں نے جمع مخاطب مذکر کے

صنف میں خطاب کیا۔ اب سورۃ الذاریات کی آیات ۲۳ تا ۳۰ ملاحظہ فرمائیے:

..... لاقبلت امراتہ لی صرة فصکت وجہہا وقالت عجوز عقیم ○ قالوا کذا لک ○ قال ریک ○

”یہ سن کر اس کی بیوی چیختی ہوئی آگے بڑھی اور اس نے اپنا منہ پیٹ لیا اور کہنے لگی ”بوڑھی! ہانچھ!“ انہوں

نے کہا ”یہی کچھ فرمایا ہے تیرے رب نے“ (الذاریات: ۲۹، ۳۰)

اس مقام پر چونکہ لفظ ”احل“ کی بجائے امراۃ آیا ہے۔ لہذا ابراہیم علیہ السلام کی بیوی کے لئے دو مرتبہ واحد مخاطب

مونث کی ضمیر ”ک“ آئی ہے۔

○۔۔۔۔۔ اہل بیت کی واضح تشریح سورۃ القصص کی ابتدائی آیات ۷ تا ۱۳ میں آئی ہے جہاں موسیٰ علیہ السلام کی ماں کو اللہ کی

طرف سے اشارہ ملتا ہے کہ اسے دودھ پلاؤ اور جان کے خطرے کی صورت میں اسے دریا میں پھینک دو۔

واصبح لؤادام موسیٰ فرعاً ○ ان کانت لتبدی بہ لولا ان یطنا علی قلبہا لتکون من المومنین ○

وقالت لاخہ قصہ لبصرت بہ عن جنب وہم لا یسہرون ○ وحرمتا علیہ المراضع من قبل فقالت

هل انکم علی اہل بیت یکتلونہ لکم وہم لہ نامحون ○ فردنہ الی امہ کی تقر عینہا ولا تعزن

ولتعلم ان وعد اللہ حق ولكن اکثرہم لا یعلمون ○ (القصص ۱۰ تا ۱۳)

”اور موسیٰ کی ماں کا دل اڑا جا رہا تھا۔ وہ اس راز کو قاش کر بیٹھتی اگر ہم اس کی ڈھارس نہ بندھا دیتے مگر

وہ (ہمارے دھڑے پر) ایمان لانے والوں میں ہو۔ اس نے بچے کی بہن سے کہا ”اس کے پیچھے پیچھے جا۔

چنانچہ وہ الگ سے اس کو اس طرح دیکھتی رہی کہ دشمنوں کو اس کا پتہ نہ چلا۔ اور ہم نے بچے پر پہلے ہی دودھ

پلانے والیوں کا دودھ حرام کر رکھا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر اس لڑکی نے ان سے کہا ”میں تمہیں اہل بیت کا پتہ

دوں جو اس کی پرورش کا ذمہ لیں اور خیر خواہی کے ساتھ اسے رکھیں؟۔۔۔ اس طرح ہم نے موسیٰ کو اس کی ماں کے پاس پلٹا دیا تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غمگین نہ ہونے پائے اور جان لے کہ اللہ کا وعدہ سچا تھا۔ مگر لوگوں کی اکثریت کا حال یہ ہے کہ اس بات کو نہیں جانتے۔۔۔

آپ نے دیکھا کہ آیات بالا کا محور موسیٰ علیہ السلام اور ان کی ماں ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کی بہن فرعون اور اس کے گھروالوں کو مشورہ دیتے ہوئے ایک دودھ پلانے والی کا اتا پاتا جاتی ہیں اور ایک ہی عورت یعنی موسیٰ علیہ السلام کی ماں کے لئے اہل بیت کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اور اس اہل بیت کی نسبت سے یہاں (مکملوند) فعل کا صیغہ جمع ذکر آیا ہے اس طرح ہمیں قرآن کریم سے تین واضح مثالیں مل جاتی ہیں کہ اہل بیت صرف بیوی (گھروالی) کے لئے آتا ہے اور جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان رضی اللہ عنہ یا علیؑ، فاطمہؑ، حسن و حسین رضی اللہ عنہم کو بھی اہل بیت کہا ہے یہ مجازی معنوں میں ہے، اصل اہل بیت بیویاں ہی ہوتی ہیں۔

○۔۔۔ اگر لفظ اہل نہ بھی ہو اور مخاطب صرف عورتیں ہوں جب بھی بعض مواقع پر جمع مذکر کے صنف میں لانا درست ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر پہلی وحی کے نزول کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لا کر خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرماتے ہیں ”زملونی، زملونی“ مجھے چادر اوڑھاؤ، مجھے چادر اوڑھاؤ۔ (بخاری۔ کتاب الوحي) اکیلی بیوی ہیں اور انہیں جمع ذکر کے صنف میں خطاب کرتے ہیں۔

○۔۔۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک منٹ کو ام المؤمنین ام سلمہؓ کے ہاں بیٹھے بائیں کرتے ہوئے سن کر فرمایا : لا یسخرن ہنا علیکم ”یہ تمہارے پاس ہرگز نہ آیا کرے۔“ (بخاری۔ کتاب النکاح) خطاب ہے ایک ام المؤمنینؓ سے مگر صیغہ جمع مخاطب ذکر (کم) آیا ہے۔

○۔۔۔ مرض وفات میں بخاری شدت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں۔ ھن یقوا علیٰ سبع لوبہ۔ ”مجھ پر سات مشکیزے اٹھالو۔“ (بخاری۔ کتاب المغازی) دیکھ لیجئے خطاب ازواج سے ہے مگر صیغہ جمع ذکر کا آیا ہے۔

○۔۔۔ خلیفہ ہارون الرشید کی بیوی زبیدہ نے جب سر مکمل کروائی تو اس کی مدح میں ایک شاعر کہتا ہے۔

یا	اہل	بیت	خلیفۃ	اللہ	الغنی
یا	اللہ	انتم	زیدۃ	النسوان	

اے خلیفہ کی اہل بیت (بیوی) تو تو عورتوں کا خلاصہ (کھن) ہے۔

شاعر واضح طور پر ایک عورت سے مخاطب ہے لیکن اس کے لئے صیغہ جمع ذکر کا لایا ہے یعنی ”انتم“

○۔۔۔ راقم الحروف کے عربی کے استاد مکہ مکرمہ کے ایک بی ایچ ڈی استاد تھے۔ یہ ڈگری انہوں نے لغویات یعنی لسانیات (LANGUAGES) میں حاصل کی تھی۔ ایک مرتبہ ملاقات کے موقع پر پوچھ بیٹھے کیف حالنا؟ (ہمارا کیا حال ہے؟)

میرے تذبذب اور ذہنی الجھاؤ کو بھانپ کر کہنے لگے ”ہماری عرب تہذیب اور آداب میں اپنے مخاطب کا حال جمع مکلم کے بیچیں پرچھتا ایک شائستہ بات سمجھی جاتی ہے۔ ان کا نام نواف محمد السندی تھا اور ۱۹۷۷ء-۱۹۷۸ء میں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد میں عربی کی تدریس کے سلسلہ میں اپنے فرائض انجام دے رہے تھے۔

ان مثالوں سے یہ تو واضح ہو گیا کہ خاص حالات میں عورتوں کے لئے جمع مذکر ہی کا صیغہ آتا ہے، خواہ معاملہ ایک کا ہو یا زیادہ کا۔ اور ان مثالوں کے تناظر میں نہایت خوبی کے ساتھ یہ حقیقت بھی اظہر من الشمس ہو چکی کہ ازواجِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جمع مذکر ”کم“ کے صیغے کا اللہ کی طرف سے استعمال کسی حیرت و استعجاب کا باعث نہیں۔ اور خود قرآن مجید ہی سے اس کے نظائر بھی مل گئے۔ اور اب جبکہ اس بات میں کسی قسم کا شبہ بھی نہیں رہ گیا کہ ازواجِ مطہرات ہی اہل بیت ہیں۔ تو کیوں نہ ہم سب مل کر کسی طرح غیر ازواجِ النبیؐ کو اہل بیت کے زمرے میں لانے کی کوشش کریں؟ اس کوشش میں سورۃ الاحزاب کی زیر بحث ساتوں آیات کا نچوڑ دیکھنا پڑے گا۔

○ آیت ۲۸ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ دنیا اور اس کی زینت کی طلبگار ہیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں بطریق احسن فارغ کر دیں۔ اسی اختیار کی وجہ سے یہ آیت ”آیت تطہیر“ بھی کہلاتی ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ معاملہ ترک و اخذ صرف ازواجِ النبیؐ سے مخصوص ہے اور ان کے علاوہ کسی اور کو اس دائرے میں لے آنے والے کو ایک دیوانہ بھی دیوانہ ہی کہے گا۔

○ آیت ۲۹ میں ازواجِ النبیؐ کو دارِ آخرت کی طلبگار ہونے کی شرط پر اجرِ عظیم کی فراہمی کی نوید سنائی گئی ہے۔ اگر ہم چاہیں بھی تو اس آیت میں نبیؐ کی بیویوں کے علاوہ کسی اور کو شامل کر ہی نہیں سکتے۔

○ آیت ۳۰ میں ازواجِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو صریح بخشش کے ارشاد کی صورت میں دہرے عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ اب اس وعید میں علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ رضی اللہ عنہم کو کس قاعدے کے تحت شامل کیا جاسکتا ہے؟

○ آیت ۳۱ میں ازواجِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماں برداری رسولؐ کے انعام کے طور پر رزقِ کریم کا وعدہ دیا جا رہا ہے۔ یہ وعدہ ازواجِ نبیؐ ہی سے مخصوص ہے۔

○ آیت ۳۲ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں سے خطاب کر کے انہیں باقی تمام عورتوں سے ممتاز و ممتاز کر کے کھری بات کہنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ خطاب براہِ راست ازواجِ النبیؐ سے ہے اور مسئلہ بھی عورتوں کا ہے اب اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیؑ، داماد اور نواسوں کو کیسے شامل کریں؟ ہے کوئی سلیقہ یا قرینہ؟

○ آیت ۳۳ میں ازواجِ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گھر میں ٹکے رہنے کی ہدایت کے ساتھ ساتھ جاہلیت کے تہمت سے منع کیا گیا۔ اور اسی آیت میں ازواجِ نبیؐ کو مکمل پاکیزگی عطا کرنے کی بات کی گئی ہے اور انہیں اہل بیت کہا گیا ہے۔ انہی کی تطہیر کامل کا ذکر اللہ نے کیا ہے۔

○۔۔۔۔۔ آیت ۳۳ میں ازواج مطہرات کو اپنے گھروں میں کتاب و حکمت کی باتیں یاد کرنے کی ہدایت کی گئی ہے اور کون نہیں جانتا کہ کتاب و حکمت کی باتیں یاد کرنے والوں میں ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سر فرست ہیں۔

آپ نے دیکھ لیا کہ ان تمام آیات میں خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں سے ہے اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس خطاب کے دائرے سے باہر ہیں کیونکہ آپ کو اپنی ازواج سے یہ خطاب کرنے کا حکم ملا۔ اور دو مقامات پر اللہ تعالیٰ نے براہ راست نساء النبیؐ کو خطاب کیا ہے۔ ایک مقام پر بیویوں کے لئے محسنات کا لفظ آیا ہے۔ بائیں مقامات پر جمع مونث کے لئے نون النسوة آیا ہے، چار مقامات پر واحد غائب مونث کے لئے ضمیر متصل ”عَا“ آئی ہے۔ چھ مقامات پر فعل مضارع کے ساتھ تاء تانیث آئی ہے، الغرض ساتوں کی سات آیات میں ۳۳ علامات تانیث آئی ہیں اور ایک مقام پر انہیں جمع مذکر کے صنف میں لایا گیا ہے جس کی بھرپور دلیل وضاحت کی جا چکی ہے پھر بھی اگر جمع مذکر کی ضمیر ”کم“ کسی الجھن کا باعث بن رہی ہو تو ایک روز مرو کے محاورہ کلام سے آخری الجھن بھی دور کی جاسکتی ہے۔ اسلام میں زندوں کے لئے سلام مخاطب اور مردوں کے لئے سلام دعا کی ترکیب ایک ہی ہے۔ ”السلام علیکم“ تم سب پر اللہ کی طرف سے سلامتی ہو۔ جمع مذکر (کم) آیا ہے، خواہ یہ سلام واحد کے لئے، تنصیب کے لئے ہو یا جمع کے لئے ہو، مذکر کے لئے ہو یا مونث کے لئے۔ اسی طرح اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی بیوی کو ”اہل بیت“ کہہ کر مخاطب فرمایا ہے۔ مثال کے طور پر زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح کے دوسرے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں کے پاس تشریف لے گئے اور ہر ایک بیوی کو سلام کیا، الفاظ یہ ہیں:

السلام علیکم اهل البيت ورحمہم اللہ

”اے اہل بیت تم پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت“ (بخاری: کتاب التفسیر۔ تفسیر سورۃ الاحزاب) مزید یہ کہ سلام کے بعد آپ نے ہر بیوی کی مزاج پر سی بھی ان الفاظ میں فرمائی:

کیف اتم بہا اهل البيت

”اے اہل بیت تمہارے مزاج کیسے ہیں“ (مسلم۔ کتاب النکاح)

ثابت ہوا کہ اہل بیت ازواج مطہرات ہی ہیں اور یہ کہ ایک بیوی کے لئے جمع مذکر کا صنف استعمال ہو سکتا ہے۔ اب عوام و خواص بیجا طور پر یہ سوال اٹھا سکتے ہیں کہ ہمیں کس نے گمراہ کیا؟ اس کا جواب بھی قرآن ہی میں موجود ہے اور اسی سورۃ الاحزاب میں ہے:

یوم تقلب وجوہہم فی النار یقولون لیلتنا اظمتنا اللہ واطمتنا الرسول ○ وقالوا ربنا انا اظمتنا سادتنا وکبرانا فاضلونا السبیل ○ ربنا اظمتهم فضعف من العذاب والعنہم لعنا کبیرا ○ (الاحزاب ۶۶ تا ۶۸)

”جس روز ان کے چہرے آگ پر الٹ پلٹ کئے جائیں گے“ اس وقت کہیں گے کاش ہم نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی ہوتی!“ اور کہیں گے۔ ”اے ہمارے رب! بے شک ہم نے اپنے سادات و اکابر (بزرگوں اور بیوں) کی اطاعت کی تو انہوں نے ہمیں راہ راست سے بھٹکا دیا۔ اے ہمارے رب! ان کو دہرا عذاب دے اور ان پر بڑی بھاری لعنت کر۔“

حرف آخر :- ہم نے قرآن و حدیث اور لغت عرب سے ثابت کر دیا ہے کہ اہل بیت صرف ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور سورۃ الاحزاب کی آیات تغصیر و تطہیر انہی کے بارے میں نازل ہوئی ہیں اور ان آیات میں علیؑ فاطمہؑ اور حسن و حسین رضی اللہ عنہم وغیرہ کا دور دور تک کوئی نام و نشان بلکہ تصور تک نہیں ملتا اور اپنی طرف سے انہیں شامل کرنا ان کی عظمت کو گھٹانا اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی شان میں سنگین نوعیت کی گستاخی ہے۔ تاہم اگر یاران ”نکتہ داں“ اس تحقیق کا رد قرآن و حدیث اور لغت عرب ہی سے کر سکیں تو چشم مارو شن دل ماشاؤ۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس تحقیق کو کس چیز سے روکیا جائے گا؟ اس مقصد کے لئے کوئی دوسرا قرآن چاہئے جو ہمارے علم میں نہیں۔

القرآن حجة لک او علیک

”قرآن تیرے لئے حجت ہے یا تجھ پر حجت ہے“ (فرمان رسولؐ بحوالہ صحیح مسلم)

بقیہ یونس علیہ السلام

یہ انبیاء، علیہم السلام کی قوموں کے واقعات میں ایک نادر مثال ہے کہ کسی قوم نے اللہ کے عذاب کو دیکھ کر معافی مانگی اور وہ ان کے لئے فائدہ مند ثابت ہوئی۔ یعنی ان کی توبہ قبول کر لی گئی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یونس علیہ السلام کو جیسا کہ مذکورہ بالا آیت سے ظاہر ہے دوبارہ ان کی قوم کی طرف بھیجا جن کی تعداد ایک لاکھ یا اس سے کچھ زائد تھی۔ یونس علیہ السلام نے ان کے سامنے دعوت پیش کی۔ قوم ایمان لے آئی اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک وقت تک دنیا کی زندگی سے فائدہ اٹھانے اور اپنی بندگی کی توفیق سے نوازا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں ہدایت سے نوازے اور قرآن و سنت کی تعلیمات پر کماحقہ عمل پیرا ہونے اور اس طرح اپنے مقصد زلیت کے حصول کا بھرپور موقع عطا فرمائے۔ آمین :

بقیہ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ

جب سینہ پر ہاتھ باندھنے والی روایت بیان کرے تو اہل حدیث صاحبان کے نزدیک اللہ ہو جاتا ہے اور عدم رفع الیدین کی روایت بیان کرے تو ضعیف! اسی کو تو مسلک پرستی اور ذہن پرستی کہتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلکی تعصب سے بالاتر ہو کر حقائق کو تسلیم کریں۔ یاد رہے کہ بغض صحابہ درحقیقت بغض رسولؐ ہے اور جب اعمال کے لئے کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر قسم کے مسلک و فرقہ پرستی کے طوق کو اتار بھیجئے اور حقیقی معنوں میں مسلم بن کر دین کے تقاضے پورے کرنے کی توفیق سے نوازے، ہمارے دل میں سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کا جذبہ پیدا فرماوے۔ قرآن ہمارے عقیدہ کی بنیاد ہو تو احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے عمل کی اساس! (آمین)۔

حکیم الامت اور اعلیٰ قرآن

محمد انوار

قرآن کے بیان کے مطابق یسود و نصاریٰ نے اپنے پیروں اور مولویوں کو اپنا رب بنا رکھا تھا۔ ان کا رب بنانا اس انداز سے تھا کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کے برخلاف ان کے کہے ہوئے حلال کو حلال اور حرام کو حرام مان لیتے تھے۔ درحقیقت یہ اللہ کو چھوڑ کر پیروں اور مولویوں کو رب بنانا ہی ہے کہ اللہ جسے حلال قرار دے اس کو مولوی کے کہنے سے حرام سمجھ لیا جائے یا جسے اللہ حرام قرار دے اس کو مولوی کے کہنے پر حلال سمجھا جائے، گویا کہ شریعت سازی کا اختیار مولوی اور پیر صاحب کے حوالے کر دیا جائے! اس شرک میں جس قدر اہل کتاب جھلا تھے اس سے کہیں زیادہ یہ موجودہ امت جھلا ہے۔ ان کے ہاں بھی دین کا مدار قرآن و سنت کے بجائے مولویوں کے اقوال، فتاویٰ اور ان کی کتابوں پر ہے یا پھر پیروں کے ارشادات و ملفوظات پر۔ ان گمراہ کن فتوؤں اور ارشادات سے لوگوں کے تمسک کا یہ عالم ہے کہ ان کے سامنے قرآن و سنت سے کوئی دلیل پیش کی جاتی ہے تو اسے ماننے اور قبول کرنے کے بجائے کہتے ہیں ”یہ حضرات (مولوی و پیر) قرآن و سنت کو زیادہ سمجھنے والے ہیں۔“ دین داری کے لبادے میں ملبوس ان پیروں اور مولویوں نے کیا گل کھلائے ہیں، اس کا اندازہ ان حضرات کی تصانیف اور کتابوں کا قرآن و حدیث سے قائل کر کے با آسانی لگایا جاسکتا ہے۔ کونسا شرک ہے یا شرک کی کون سی قسم جو ان حضرات کی کتابوں اور سنی نامشکور کی وجہ سے نہ پھیلا ہوا۔ مزاروں کا کثرت سے وجود میں آنا، قبروں کی پوجا پاٹ، ان پر عرس و میلے، غیر اللہ کی پکار اور غیر اللہ کی نذر و نیاز غرض ایک ایک گھٹاؤنا شرک ان فرقہ پرستوں کی کار فرمائی کا مرمون منت ہے۔

اس مختصر مضمون میں نہ تو ان کے شرک کی تمام اقسام پر بات ممکن ہے اور نہ ہی ان ”مفتیان دین“ میں سے ہر ایک کی ”خدمت دین“ کے عنوان سے کی گئی کوششوں کی نقاب کشائی ممکن ہے۔ یہاں اختصار کے پیش نظر مدرسہ دیوبند کی صرف ایک شخصیت کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے تاکہ اندازہ ہو سکے کہ اللہ کے دین کی شکل بگاڑنے کی کوشش میں زندگی

مکراتے والے افراد کو سر پر بٹھانے اور اونچے اونچے القاب سے نوازنے والی یہ امت کس طرح ملاخوت پرستی کے مذموم مرض کا شکار ہوئی ہے۔ وہ مشہور و معروف شخصیت اشرف علی تھانوی صاحب ہیں جن کو یوں تو بہت سے القاب سے یاد کیا جاتا ہے مگر زیادہ مشہور ”حکیم الامت“ کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔ یہ بے شمار کتابوں کے مصنف ہیں بشمول تفسیر القرآن ”بیان القرآن“ کے بلکہ یوں کہنا زیادہ بہتر ہو گا کہ ان کی ساری عمر عزیز اپنے مخصوص اتحادی دین کی خدمت ہی میں گزری۔ اپنی کتابوں میں انہوں نے جو نکل کھلائے ہیں اور مسائل سلوک و دین تصوف کی جو کارستانیاں دکھائی ہیں ان کا احاطہ اس مضمون میں ممکن نہیں ہے بلکہ اس کے لئے تو ضخیم جلدیں درکار ہوں گی۔ یہاں صرف مختصر تعارف پر ہی اکتفا کیا جائے گا۔ لہذا اس مضمون میں حکیم الامت صاحب کی صرف اس خدمت کا ذکر کیا جائے گا جو انہوں نے تعویذ گنڈے ٹوٹے وغیرہ کی شکل میں کی ہے۔

قرآن و حدیث کی تعلیمات کی رو سے توکل و بھروسہ کے لائق تو صرف مالک کی ذات ہے وہی نفع و نقصان پر قادر ہے، وہی رزق میں کشادگی یا تنگی کرتا ہے۔ وہی بیماری سے شفاء دیتا ہے، وہی اولادیں دیتا ہے اور بے اولاد رکھتا ہے۔ تعویذ گنڈے اور ٹوٹے ٹوٹے نہ تو کسی کی گود بھرتے ہیں اور نہ کسی بیمار کو صحت یاب ہی کر سکتے ہیں۔ یہ عمل محض بے کاری نہیں بلکہ صریح شرک ہے۔ ان کے عامل ان سے کچھ پانے کی بجائے ایمان جیسی محتاج عزیز ہی کو گنوا بیٹھتے ہیں۔ ایمان والے تو ہر مصیبت کے وقت اسی قادر مطلق ”سبح و بصیر ذات کی طرف رجوع کرتے ہیں جس کے خزانے میں انسانوں کی تمام خواہشات کو پورا کرنے کے باوجود کوئی کمی نہیں ہو سکتی۔ تعویذ گنڈے اور ٹوٹے ٹوٹے کے عالمین اور اس پر اعتقاد رکھنے والوں اور اس کا کاروبار کرنے والوں کے سامنے قرآن کریم کی تعلیمات کے علاوہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پیش کئے جاتے ہیں۔

پہلے اللہ تعالیٰ کا فرمان ملاحظہ ہو۔

قُلْ لَنْ يَصِيَّبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا ۖ هُوَ مَوْلَانَا ۚ وَ عَلَى اللَّهِ قَلْبُ كُلِّ الْمُؤْمِنِينَ ۝ (التوبہ: ۵۵)

ترجمہ :- کہہ دو کہ ہمیں کوئی مصیبت نہیں آسکتی سوائے اس کے جو اللہ نے ہمارے لئے مقدر کر دی ہے وہی ہمارا مولا ہے اور مومن تو اللہ ہی پر توکل کرتے ہیں۔

اور اب نبی علیہ السلام کے ارشادات پر بھی غور کر لیں:

(۱) اِنْ الرِّقَى وَالْتِمَانُ وَالتَّوَلُّةُ شُرَكَاءُ۔ (ابوداؤد ص ۵۳۳، مسند احمد ج ۱ ص ۳۸۸، ابن ماجہ ص

۴۳۴ سنن الکبریٰ ج ۹ ص ۳۵۰، المستدرک ج ۳ ص ۴۸۸)

ترجمہ :- دم و تعویذات اور تولد شرک ہے۔

(۲) مِنْ تَعَلَّقَ تَعِيْمَةً فَقَدْ اَشْرَكَ۔ (مسند احمد جلد ۳ ص ۱۵۶)

ترجمہ :- جس نے تعویذ لگایا اس نے شرک کیا۔

(۳) ما اہالی ما اتیت ان انا شربت نریماقا اور تعلقت تمیمۃ او لکت شعر من قبل نفسی۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۳) ابو داؤد ص ۵۴۰ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۷۸)

ترجمہ :- میں (حق و ناحق) سے بے پرواہ ہو گیا اگر تریاق استعمال کروں، تعویذ لکھاؤں یا شاعری کروں۔

(۴) من تعلق شبا و کل الیم۔ (نسائی ج ۲ ص ۲۱۵) ترمذی ج ۲ ص ۲۸، مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۰ المستدرک ج ۳ ص ۲۱۶ السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۳۵۱)

ترجمہ :- جس نے کوئی چیز لٹکائی تو وہ اس کے حوالے کر دیا جائے گا۔

یہ تو ہیں وہ احادیث جن میں نبی علیہ السلام نے تعویذ گنڈے کو شرک فرمایا ہے اور اس کے عمل کو قطعاً ممنوع قرار دیا ہے۔ اس کے برعکس مجدد ملت حکیم الامت اشرف علی تھانوی صاحب نے تعویذ گنڈے اور ٹوٹے ٹوٹکے کی خوب خوب تعلیم فرمائی ہے۔ ذیل میں ان کی اس تعلیم اور خدمت دین کے چند نمونے پیش خدمت ہیں۔ مگر اس سے پہلے یہ بتادینا مناسب ہو گا کہ ان کی تربیت اسی انداز سے کی گئی تھی جیسا کہ خود فرماتے ہیں۔

☆ ”احقر سے اعلیٰ حضرت مرشدی سیدی حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی حاجت مند تعویذ وغیرہ لینے آوے تو انکار مت کیا کرو جو خیال میں آیا کرے لکھ دیا کرو چنانچہ احقر کا معمول ہے کہ اس حاجت کے مناسب کوئی آیت قرآنی یا کوئی اسم الہی سوچ کر لکھ دیتا ہے۔ اور بفضلہ تعالیٰ اس میں برکت ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک بی بی کی مانگ باوجود کوشش بار بار کے سیدھی نہ نکلتی تھی۔ احقر نے کہا ”اھلنا الصراط المستقیم“ پڑھ کر مانگ نکالو چنانچہ اس کا پڑھنا تھا کہ مانگ بے تکلف سیدھی نکل آئی احقر نے یہ حکایت اس لئے عرض کی ہے کہ اور کوئی طالب اس معمول کو اختیار کرے تو امید نفع اور برکت ہے۔ (اشرف علی۔ اعمال قرآنی صفحہ ۱۵۳)

☆ ”ویرانی خانہ ظالم۔“ ”آیت ”یا ہذا الفتن امنوا لا تبطلوا صدقاتکم ۛ الکافرین تک۔“ (پ ۳ ع ۴)۔ اگر کوئی ظالم دشمن ہو اور اس کو ویران کرنا منظور ہو بعد استغنا شرعی کے ہفتہ کے دن ایک ٹھیکری کچی تیار کرو اور کسی پرانے قبرستان کی تھوڑی مٹی ہفتہ کے دن لو اور تھوڑی مٹی کسی ویران گھر کی لو اور تھوڑی مٹی کسی خالی گھر کی لو جس کے رہنے والے مر گئے ہوں اور ان آیتوں کو اس ٹھیکری پر لکھو اور خوب باریک پس کر دو سری مٹیوں کے ساتھ ملاؤ پھر ان سب کو ملا کر اس کے گھر میں ہفتہ کے روز پہلی ساعت میں بکھیر دو“ (اعمال قرآنی صفحہ ۴۰)

☆ ”برائے تفریق و عداوت۔“ ”والقنا بینہم العداۃ والبغضاء الی یوم القیمۃ اگر دو آدمیوں میں تفریق و عداوت ڈالنا چاہے تو اس آیت کو بھونچ پڑھ کر اس کے نیچے یہ نقش لکھے۔ اور

اس شخص کے نیچے یہ عبارت لکھے کہ درمیان فلاں فلاں تفریق واقع ہو۔ فلاں کی جگہ دونوں کا نام لکھے اور تعویذ بنا کر پرانی دو قبروں کے درمیان دفن کر دیجئے مگر ناحق کے لئے نہ کرے ورنہ گنہگار ہوگا۔“
(اعمال قرآنی صفحہ ۷)

☆ سولت ولادت:- اذا السماء انشقت ○ واقتل ربها وحقت ○ واذا الارض مدت ○ والقت ما فيها و تحلت ان آتوں کو لکھ کر ولادت کی آسانی کے لئے بائیں ران میں باندھے انشاء اللہ تعالیٰ بہت آسانی سے ولادت ہوگی۔ مگر بعد ولادت تعویذ کو فوراً کھول دینا چاہئے۔ (کچھ الفاظ حذف کئے گئے ہیں جن کے بیان سے زبان و قلم قاصر ہے)۔ (اعمال قرآنی صفحہ ۲۰)

☆ نجات از درد زہد:- خاصیت حدیث شریف۔ اگر درد زہد سے تکلیف ہو تو عورت موطا امام مالک پر ہاتھ رکھے فوراً ولادت ہو جائے گی۔ (اعمال قرآنی صفحہ ۴)

☆ ضرر دشمن:- آیت اولئك الذين اشترو الضلالة بالهدى سے واذا اظلم عليهم قاموا تک (پ ۲۷)

جس دشمن کو شرعاً ایذا پہنچانا جائز ہو تو اس کے بدن کا کپڑا لے کر اس پر اس کا اور اس کی ماں کا نام سات مرتبہ لکھا جاوے اور اس کے گرد ایک دائرہ کھینچ دیا جاوے اسی طرح تین دائرے بنائے جاویں پھر اس کپڑے کو پلیٹ کر مٹی کے کسی کورے برتن میں رکھ کر ہفتہ کے روز اس کے گھر میں ایسی جگہ دفن کر دیا جائے کہ اس جگہ کسی کا پاؤں نہ آوے (اعمال قرآنی صفحہ ۳۳)۔

☆ دفع ہول دل:- ليربط على قلوبكم ويثبت به الالنام ○ یہ آیت حول دل کیلئے نہایت مجرب ہے۔ اس کو لکھ کر تعویذ بنا کر گلے میں اس طرح لٹکاوے کہ وہ تعویذ میں قلب پر رہے بلکہ اس کو کپڑے سے یا ٹھہرے یعنی دھاگے سے باندھ کے قلب سے نہ ہٹنے پاوے۔ (اعمال قرآنی ص ۸)

☆ تطویل جس ظالم:- آیت فقال ادخلوا فی اسم سے لا تعلمون تک (پ ۸۷)

جس شخص کا ظالم دشمن قید میں ہو اور اس کی قید کی میعاد بڑھانا منظور ہو اس کو سرخ رنگ کے برتنالہ کی جھلی پر لکھے اور اس شخص کا نام مع اس کی والدہ کے لکھے اور قید خانہ کے دروازے میں دفن کر دے قید دراز ہو جائے گی۔ (اعمال قرآنی ص ۵۴)

☆ رزق و آبرو۔ محبت زوجہ۔ سورۃ یوسف (علی نبینا وعلیہ السلام) (پ ۱۲ ع ۱۳)
جو شخص اس کو لکھ کر پیوے اس کا رزق بڑھے اور ہر شخص کے نزدیک با قدر ہو۔ دیگر اگر تعویذ بنا کر پائے اس کی بیوی اس کو بہت چاہنے لگے (اعمال قرآنی صفحہ ۴۴)

☆ ہلاکت و دشمن ظالم۔ والنفق لم يستجیوا لہ سے ویش المہاد تک (پ ۱۳ ع ۸) اور والنفق یلقضون عہد اللہ سے سوء العار تک (پ ۱۳ ع ۹) جو شخص اپنے دشمن کو ہلاک کرنا چاہے تو مہینہ کی اٹھائیس تاریخ کو روزہ رکھے اور اگر اتفاق سے ہفتہ کا دن پڑ جائے تو بہت خوب ہے۔ پھر جو کی روٹی پر افطار کرے پھر آدھی رات کے وقت اٹھ کر جنگل میں جا کر یا خالی گھر کی چھت پر جا کر کندر اور سندروس کی دھونی سلگا کر یہ دونوں آیتیں سات مرتبہ پڑھے اور اس کی ہلاکت کے لئے دعا کرے مگر حد شرعی سے تجاوز نہ کرے، یعنی جس قدر نقصان پہنچانا اس کو شرعاً جائز ہو اس سے زیادہ بد دعا نہ کرے انشاء اللہ تعالیٰ وہ ذلیل و خوار ہوگا (اعمال قرآنی صفحہ ۷۷)

☆ تباہی باغ و کشت و مجمع ظالماں۔ سورۃ النمل (پ ۱۳)
اگر اس کو لکھ کر کسی باغ میں رکھ دے تمام درختوں کا پھل جاتا رہے گا اور کسی مجمع میں رکھ دے سب پر اگندہ اور تباہ ہو جائیں اس لئے بجز ظالم کے دوسرے کے لئے جائز نہیں اور اس میں بھی حد شرعی کی رعایت واجب ہے۔ (اعمال قرآنی ص ۷۷)

☆ تباہی ظالم۔ آیت وما ارسلنا من قبلك من رسول الا نوحي الیہ سے الظلمین تک (پ ۱۷ ع ۲)

منکبر ظالم کے تباہ کرنے کے لئے چار قبروں کی مٹی لے۔ ایک مسلمان کی دوسری یہودی تیسری نصرانی کی چوتھی مجوسی کی 'ایک کسی منکبر کی پرانی قبر کی ایک کسی ویران گھر کی اور ایک کسی وقف مندم گھر کی۔ یہ ساتویں لیکر برتن پر یہ آیت سات سات بار پڑھ کر کسی مہینے کے آخری بدھ میں وہ مٹیاں ملا کر اس شخص کے گھر میں اوپر سے ڈال دے پھر تماشا دیکھے۔ (اعمال قرآنی صفحہ ۷۷)

☆ اطلاع دھینہ و خزانہ۔ دیگر جو شخص دھینہ و خزانہ پر مطلع ہونا چاہے تو ان آیتوں کو تانبے کے برتن پر منگ و زعفران سے لکھے پھر ہلیلہ زرد و آب طوبہ میوہ مبز سے اس کے حروف دھو کر سیاہ مرئی کا پتہ یا سیاہ بطخ کا پتہ اور پانچ شعل سرمہ اصلہائی لے کر اس پانی میں ملا کر خوب باریک پیسے حتیٰ کہ وہ باریک سرمہ ہو جاوے اور رات کے وقت پیسا کرے تاکہ اس پر دھوپ نہ پڑے۔ جب سرمہ بن جائے کانچ کی شیشی میں رکھ کر اور آنسو کی سلائی سے اس کا استعمال اس طرح کرے کہ اول جمعرات

کے دن روزہ رکھے جب نصف شب کا وقت ہو درود شریف پڑھے اور آیات موصوفہ ستر بار پڑھے اور ستر بار استغفار پڑھے پھر ستر مرتبہ درود شریف پڑھے پھر اسی سلائی سے دونوں آنکھوں میں تین تین بار سلائی اس سرمہ کی لگاوے اور داہنی آنکھ میں پہلے لگاوے اسی طرح سات جمعرات تک کرے کہ دن میں روزہ رکھے اور رات کو درود شریف و استغفار و آیات پڑھے اور سرمہ لگاوے۔ اس شخص کو اشخاص روحانیہ نظر آویں گے ان سے جو کچھ پوچھتا ہو پوچھ لے وہ اس کے سوال کا جواب دیں گے دیگر ملک حرف جدا جدا اس طرح لکھے۔ ا ل م ل ک اور ہر روز درمیان کے حروف یعنی م کو چالیس بار آیت پڑھتا ہوا دیکھے اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت کے سامان اس گمے لئے درست فرمادیں اور سب حاجتیں پوری فرمادیں (اعمال قرآنی ص ۳۲-۳۳)

☆ تسخیر و قبول و قول :- آیت 'واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً' ہم المفلحون تکہ اگر عروج ماہ دو شنبہ کے روز ہرن کی جھلی پر توت کے عرق سے لکھ کر آخر میں یا مولف القلوب الف بین فلاں و فلاں لکھے اور فلاں فلاں کی جگہ ان دو شخصوں کے نام لکھے جن میں الفت پیدا کرنا منظور ہو اور طالب کے بازو وغیرہ پر باندھ دے مطلوب مہربان ہو جائے گا۔ اور اگر عداوت ہوگی دوستی سے مہل ہو جائے گی۔ اگر غضبناک ہو گا مہربان ہو جائے گا اور اقبال اور جاہ میسر ہو گا۔ اور اگر واعظ اس کو اپنے پاس رکھے اس کا وعظ مقبول اور موثر ہو۔ (اعمال قرآنی صفحہ ۳۴)

☆ نکسیر استخاف :- آیت 'وما محمد الا رسول سے انقلبتم تک (پ ۶۴) جس کی نکسیر جاری ہو اس آیت کو مریض کی دونوں آنکھوں کے درمیان ٹاک کے اوپر باندھے۔ اگر کسی عورت کا خون جاری ہو جاوے تو اس آیت کو تین پرچوں پر لکھے۔ ایک پرچہ اس کے اگلے دامن میں باندھ دے ایک پچھلے دامن میں ایک زیر ناف۔ (اعمال قرآنی صفحہ ۳۵)

☆ بار آوری درخت :- آیت 'وشر النین امنوا سے خللون تک (پ ۳) جو درخت پھلتے نہ ہوں یا کم پھلتے ہوں ان کے بار آور کرنے کے لئے جمعرات کا روزہ رکھے اور صرف کدو سے انظار کرے اور نماز مغرب کی پڑھ کر یہ آیتیں کاغذ پر لکھے اور کسی سے بات نہ کرے اور اس کاغذ کو لے کر اس باغ کے وسط میں کسی درخت پر لٹکاوے اگر اس پر کچھ پھل لگا ہو تو اس سے ورنہ اس کے آس پاس کسی درخت سے کوئی پھل لے کر کھا کر اس پر تین گھونٹ پانی پئے اور چلا آوے انشاء اللہ تعالیٰ برکت ہوگی۔ (اعمال قرآنی صفحہ ۳۴)

☆ دریافت حال ماتم واطلاع دہینہ۔ آیت 'واذ قتلتم نفسا سے تعلقوں تک (پ ۱ ع ۹) سوتے آدمی سے راز دریافت کرنے کے لئے ہے مگر جس جگہ معلوم کرنا شرعاً جائز ہو۔ دیگر بعض عارفین سے منقول ہے کہ یہ آیتیں اور سورۃ شعراء کاغذ پر لکھ کر سفید مرغ کی گردن میں جس کا تاج شاخ شاخ ہو باندھ کر جس جگہ دہینہ کا شبہ ہو وہاں چھوڑ دیا جاوے۔ وہ مرغ وہاں جا کر کھڑا ہو جائے گا اور اگلے دن مر جاوے گا۔ مگر مجھ کو اس میں شبہ ہے کہ حیوان کا ہلاک کرنا عمل سے جائز یا ناجائز ہے۔ دیگر یہ بھی ان بزرگ سے منقول ہے کہ جمعہ کے روز جب آفتاب نکلنے لگے تو یہ آیتیں برنوف کی چھڑی پر چالیں مرتبہ پڑھے جو جانور کسی قسم کے مرض میں مبتلا ہو اس چھڑی پر تھکار کر اس سے سات مرتبہ اس کو جھاڑے پھر اس مریض کے اوپر تھکار دے انشاء اللہ تعالیٰ نفع ہو گا۔ (اعمال قرآنی صفحہ ۳۶)

☆ دفع پشہ وکیک ومارو کثر دم وغیرہ۔ آیت 'الم تر الی الذین خرجوا من دیارہم سے لا یشکرون تک (پ ۲ ع ۱۳)

طشت میں سیاہی لے کر شیرہ برگ نوف یا شیرہ برگ زیتون سے دھو کر گھر میں چھڑکنے سے جس قدر سانپ بچھو پتھر ہو گے انشاء اللہ سب مریضیں گے اور جمعرات کے روز سحر کے وقت زیتون کے چار چوں پر لکھ کر ایک پتہ مکان کے ایک ایک گوشہ میں دفن کر دیا جائے تو کوئی پتھر باقی نہ رہے گا۔ (اعمال قرآنی ص ۳۹)

☆ ذہن وروسیاہی دشمن۔ آیت 'قل یا اهل الکتاب هل تنقمون سے سواء السبیل تک (پ ۶ ع ۳)

یہ آیتیں دشمن کی روسیاهی اور کند ذہنی کے لئے ہیں۔ جو شخص ناحق ایذا دیتا ہو اور ظلم کرتا ہو اور ہمارے مبروہ کی بائی پر بھی ہانڈہ آوے تو جمعرات کا روزہ رکھ کر نماز عشاء پڑھ کر ان آیتوں کو کسی وقفی گھر کی ایک مشت خاک پر تیس بار پڑھ کر اس شخص کے گھر میں وہ مٹی چھوڑ دو پھر اس کی جان اور مال کا تماشہ دیکھو۔ (اعمال قرآنی ص)

☆ وقالت اليهود ید اللہ مغلوطہ سے لا یحب المسلمین تک (پ ۶ ع ۳)

جب کوئی مجمع کسی ناجائز غرض پر متفق ہو جائے اور ان میں تفریق منظور ہو تو ان میں جو سب سے بڑی عمر کا آدمی ہو اور جو سب سے چھوٹی عمر کا آدمی ہو ان دونوں کے تھوڑے تھوڑے بال لے کر ان کو آگ میں خاکستر کر لو پھر یہ آیتیں کسی بڑے پاک برتن میں لکھ کر اور اس کو برگ حبل کے عرق سے دھو کر وہ پانی اور وہ رکھ اس مقام میں ڈال دو انشاء اللہ تعالیٰ پھر ہرگز ہرگز ان میں اجتماع نہ ہو گا۔ (اعمال قرآنی صفحہ ۳)

سورة الانعام (پ۔ ۷) اگر لکھ کر موشی کے گلے میں باندھ دیں تو ان کو تندرستی اور جمع آفات سے
امین حاصل ہو۔ (اعمال قرآنی صفحہ ۷۳)

☆ فتور چشم و استرخا عضوت۔ آیت انما يستجيب الله عن من دعاه (پ ۷ ع ۱۰)
جس کی آنکھ میں کچھ فتور ہو یا کسی عضو میں استرخا ہو تین روز متواتر روزہ رکھے اور دودھ شکر سے افطار
کرے اور نصف شب کے وقت اٹھ کر تانبے کے قلم سے زعفران اور گلاب سے اپنے یا دوسرے
مریض کے داہنے ہاتھ پر لکھ کر چاٹ لے تین روز تک ایسا ہی کرے۔ (اعمال قرآنی صفحہ ۳۸)

☆ استتار راز چشم دشمن :- برائے استتار راز چشم عدوۃ الہل امین سے ایک بزرگ
فرماتے ہیں کہ ایک مقام پر لڑائی ہو رہی تھی میں نے افا فلزلت پڑھ کر زمین پر ہاتھ مار کر اس طرف
مٹی پھینک دی پھر سر پر ہاتھ رکھ کر یہ آیتیں پڑھیں لا ضرب لہم طریقا فی البحر سے لا تغشی تک
(پ ۱۲ ع ۱۳) وجعلنا من بین یدیہم سدا سے لا یبصرون تک (پ ۱۲ ع ۱۸) قسم کھا کر کہتے ہیں کہ
عمل کر کے درخت کے نیچے بیٹھ رہا۔ مخالفین وہاں پہنچ کر کہنے لگے کہ ابھی تو وہ شخص یہاں تھا کہاں گیا
اور یہ ان کو نظر نہ آئے۔ (اعمال قرآنی ۱۰۵)

☆ بند پیشاب :- ابن کلبی نے لکھا ہے کہ کسی شخص کا پیشاب رک گیا ایک فاضل نے
یہ آیت لکھ کر باندھی شفا ہو گئی۔ ففتحنا ابواب السماء بماء منہم سے قد قلر ○ تک (پ ۲۷ ع ۸)

تھو نہیں! یہاں اعمال قرآنی کے کچھ نمونے پیش کئے ہیں جن کو احتیاط کے ساتھ ہی منتخب کیا گیا ہے ورنہ اعمال قرآنی اور
بہشتی زیور میں تو عریاں و نقش نگاری کے وہ نمونے پیش کئے گئے ہیں جن کو کوئی غیرت مند اپنے گھر میں رکھتے ہوئے شرم
محسوس کرے گا۔ یہ کچھ نمونے بھی صرف اس لئے پیش کئے گئے ہیں کہ اللہ کے بندے ان شخصیات کو بخوبی پہچان لیں
جنہوں نے دین طریقت کی رنگ آمیزی و طمع سازی کے ذریعہ اللہ کے دین میں بگاڑ پیدا کر کے انسانیت کو سواۃ السیل سے
بھٹکایا۔ اللہ کی رحمت و مغفرت سے محروم کر کے ذلت و رسوائی سے دوچار کیا اور انجام کار ہلاکت و خسران کے گڑھے میں گرا
دیا۔ ایک اللہ کی بندگی کرنے والے اور صرف اسی پر توکل کرنے والے ہندومت کی توہمات و رسومات کی بندشوں میں جکڑ
دیئے گئے اور ذہنی غلامی کا شکار ہو کر زندوں کا توکنا ہی کیا، مردوں سے بھی خوفزدہ رہنے لگے۔ مسلمانوں کی عظمت بھری
تاریخ کو مسخ کرنے میں ان شخصیات نے بھی کھیل کھیلایا ہے۔ ایمان خالص کا تو یہی تقاضہ ہے کہ ان کے لئے محبت و احترام
کے بجائے نفرت و بے زاری کا اظہار کیا جائے۔ وما علینا الا البلاغ۔



قافلہ مے رواں دواں

اجتماع عام (صوبہ پنجاب)

پنجاب سطح پر ہونے والا یہ دوسرا اجتماع عام اب کے ۲۵ اور ۲۶ اپریل ۱۹۹۳ء کو مسجد توحید ڈیرہ غازی خان میں منعقد ہوا جس میں بیرون پنجاب، سرحد، بلوچستان، آزاد کشمیر اور سندھ سے بھی کچھ ساتھی شریک ہوئے۔ پنجاب سے باہر کے شرکاء میں کراچی سے امیر تنظیم کے ساتھ آنے والوں کی تعداد سب سے زیادہ (تقریباً تیس پینتیس افراد پر مشتمل) تھی۔ اس اجتماع عام کی حیثیت بھی ہلکے پھلکے تربیتی اجتماع کی ہوتی ہے۔ چنانچہ یہ دو روزہ اجتماع موضوعاتی تقاریر کے علاوہ مختصر مطالعاتی پروگراموں پر مشتمل تھا۔

اجتماع کا باقاعدہ آغاز ۲۵ اپریل ساڑھے سات بجے صبح امیر تنظیم کے ابتدائی کلمات سے ہوا۔ انہوں نے سورۃ ال عمران کی آیات (۱۰۲ تا ۱۰۶) **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ تَقَاتَهُ هُمْ لَهَا خَلَلُونَ** کے حوالے سے اہل ایمان کی ذمہ داریوں پر روشنی ڈالتے ہوئے اجتماع کی غرض و غایت اور اجتماعیت کی اہمیت اور اس کے تقاضوں کو واضح کیا۔ انہوں نے شرکاء اجتماع کو ایمان کی قدردانی کی تلقین کرتے ہوئے بتایا کہ ایمان کا لازمی تقاضا تقویٰ اور اللہ کی فرمانبرداری اختیار کرنا ہے، زندگی کی آخری سانس تک۔ اس راہ پر استقامت کے ساتھ جے رہنے کے لئے ضروری ہے کہ اللہ کے ساتھ بندگی کے رشتے کو استوار رکھا جائے۔ اعتصام بحبل اللہ کا اہتمام ہو۔ جماعت سے وابستگی ہو، نظم و ضبط کی پابندی کے ساتھ اور ہر قسم کے اختلاف و افتراق سے بچتے ہوئے۔ قرآن ہی تعلیم فرماتا ہے کہ جو اعتصام باللہ یعنی اعتصام بالکتاب والسنۃ کا حق ادا کرے گا اسے صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی ملے گی۔ اللہ تعالیٰ ان آیات میں اہل ایمان کو یاد دہانی کرا رہا ہے کہ ایمان سے پہلے تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ عرب کی تاریخ قبائلی دشمنیوں، اوس و خزرج اور یہودی قبائل کی خونریزیوں سے عبارت تھی۔ انسانیت کے روپ میں درندگی اور خواہشات نفس کی پیروی عام تھی۔ اس طرح تم جہاں کے گڑھے کے کنارے پر پہنچ گئے تھے کہ ہم نے تمہیں بچالیا اور ایمان کی نعمت کے ذریعے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔ اب تمہیں چاہئے کہ ہماری اس نعمت کو یاد رکھو۔ اس کی قدردانی کرو اور اس کا

تقاضا یہ ہے کہ تم ہماری فرمانبرداری اختیار کرو اور اس خیر کو دو سروں تک پہنچاؤ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعے دنیا و آخرت میں فلاح یاب ہونے کا یہی طریقہ ہے۔ آپس کے اختلافات اور تفرقہ بازی سے بچو اور ان لوگوں کی طرح کفرانِ نعمت نہ کرو جو تم سے پہلے ہماری طرف سے ہدایت آنے کے بعد اختلافات میں پڑے اور پھر فرقوں میں بٹ کر عذابِ عظیم کے مستحق ٹھہرے۔

امیرِ عظیم نے قرآنی آیات کی تعلیمات کے تناظر میں شرکاءِ اجتماع کو ایمان کی نعمت اور اس کے تقاضے کے طور پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی عظیم ذمہ داری کا احساس دلایا اور اس سے پہلے اہل کتاب بالخصوص بنی اسرائیل کی تاریخ کے حوالے سے واضح کیا کہ یہ ان کی مسلسل نافرمانیاں اور بد عہدیاں تھیں اور اس عظیم نعمت کی ناکدوری اور اپنی ذمہ داریوں سے غفلت اور لاپرواہی کا نتیجہ تھا کہ انہیں اس منصب سے معزول کر دیا گیا اور ان کی جگہ اس آخری امت کو اس منصب پر فائز کیا گیا۔

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ بات کہاں سے شروع ہوئی تھی، کہاں پہنچی اور اب کیا کرنا ہے؟ یاد رہے کہ **الہکم اللہ** واحد کی دعوت پر لبیک کہنے والے اہل ایمان، صحابہ کرام کو معاشرے کے دھارے سے کنٹنا پڑا۔ ایک کشمکش برپا ہوئی۔ ایذاؤں برداشت کی گئیں۔ ہجرت کے مراحل سے گزرنا پڑا۔ ایمان کی آبیاری کے لئے گناہ و معصیت، اللہ کی منع کردہ ہر چیز یہاں تک کہ گھریار، وطن، مال و اسباب اور رشتہ ناٹھ غرض جو چیز بھی اس راہ میں رکاوٹ بن سکتی تھی اس کو چھوڑ دیا۔ اللہ کی راہ میں ایک اجتماعیت سے وابستہ ہوئے، مع و طاعت کے پیکر بنے۔ بدر کے معرکہ میں تین سو کو ایک ہزار کے مقابلے میں اللہ نے فتح سے ہمکنار کیا۔ مخالفین کی کمر توڑ دی گئی۔ لیکن غزوہ احد میں اطاعتِ رسولؐ سے انحراف کرنے کی سزا میں جیتی ہوئی بازی ہار گئے۔ احد کے بعد یہ سورۃ نازل ہوئی۔ بہر حال اللہ نے فضل فرمایا۔ دشمن کے دل میں رعب ڈال دیا۔ سلسلہ آگے بڑھتا ہے، اہل ایمان کی تربیت ہوتی ہے۔ تسلیم و رضا، مع و طاعت کے پیکر، نظم و ضبط کے پابند، باہمی تعلقات میں ایثار و قربانی کے جذبے سے سرشار یہ جواں ہمت نبی علیہ السلام کی سرپرستی میں تعلیم و تربیت کے مزید مراحل طے کرتے ہیں۔ اللہ کی راہ میں، طاغوتی قوتوں کے خلاف، سیدہ پلائی ہوئی دیوار بن کر ان کو پسپائی پر مجبور کر دیتے ہیں۔ اس طرح اللہ کی تائید سے کامیابی کی معراج کو پہنچتے ہیں اور رضی اللہ عنہم و رضوانہ کا مصداق بنتے ہیں۔ اللہ کا وعدہ استخفاف ایسے ہی لوگوں سے ہے جو **یعبدوننی لا یشرکون** ہی سمجھنا کی شرط پر پورا اترنے والے ہوں۔

اللہ کے بندو! یہ کامیابی و سرفرازی اور یہ عروج انحطاط پذیر ہوا تو اس کی ایک ہی وجہ تھی اور ہے کہ مالک کے ساتھ بندگی کا وہ رشتہ جو شرک کے ہر شاخے سے پاک رہنا چاہئے تھا، استوار نہ رہ سکا۔ دنیا میں امن و سلامتی اور غلبہ و صولت جس ایمان خالص سے مشروط تھے وہ دینِ تصوف اور اتحادی فلسفے (وحدت الوجود، وحدت الشہود اور حلول) کی یلغار کے باعث شرک سے آلودہ ہوا اور مسلسل ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ اس ام النجاشت کے زیر اثر اعمال بھی برباد ہوئے۔ الغرض صدیوں کی مسافت پر محیط یہ سیل انحطاطِ ذلت و رسوائی کی اس منزل پر پہنچا اور آج کا یہ منظر ہے کہ شاید تاریخِ انسانیت کبھی

پیش نہ کر سکے۔

ایسی پستی کے ماحول سے اللہ کا ایک بندہ اٹھا جس نے اللہ کی توفیق سے دعوت کو قرآن و حدیث کے نکسالی خج پر اٹھایا۔ آج کی بربادی کی اصل وجہ کو پورے شواہد اور ثبوت کے ساتھ تحریری طور پر سب کے سامنے پیش کر دیا۔ اللہ کا صد ہزار شکر کہ اسی کاوش کا نتیجہ یہ اجتماعیت ہے جس کے ساتھ ہم آپ آج منسلک ہیں۔ اللہ کی اس نعمت کی شکرگزاری کا یہ تقاضا ہے کہ اس شمع کو روشن رکھنے کے لئے ہم سب کے مساعی مل کر بھرپور انداز میں لگیں۔ اللہ کے دین کا تقاضا پورا کرنے کے لئے ہم اپنے ماحول میں اجنبی بننے میں غر محسوس کریں، ہمیں لومہ لائٹ کی کوئی پروا نہ ہو اور ذرا بھی ذہنی مرعوبیت کا شکار نہ ہوں۔ اپنے اندر کتاب و سنت کے مطلوبہ اوصاف سیرت و کردار پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ تقویٰ کے معیار کو بلند کریں۔ تقویٰ کیا ہے؟ اللہ کی نافرمانی کے رتکین و دلفریب کائناتوں سے بھری دنیا میں منکرات کے ان کائناتوں سے اپنے دامن کو بچانا ہی تقویٰ ہے۔ اس مقصد کے لئے اس طرح کے اجتماعات منعقد کئے جاتے ہیں کہ جہاں ساتھیوں میں باہمی ربط و منبط بڑھے وہاں اس طرح کی جو چیزیں تقاریر اور دوسرے پروگراموں کے ذریعے پیش کی جاتی ہیں، ہمارے ساتھی ان کو اپنے اندر جذب کریں اور پھر یہ سلسلہ آگے بڑھے۔

یاد رکھئے! آپ کی اس اجتماعیت کو ختم کرنے اور اس شمع کو بجھانے کی برابر کوششیں ہو رہی ہیں۔ جن کے دلوں میں طاغوت کی محبت رچ بس گئی ہے وہ مسلسل برسر کار ہیں ایک محاذ سے ہزیمت اٹھانے کے بعد دوسرے محاذ پر جا کھڑے ہوتے ہیں اس طرح نئے قوتوں کو اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اپنی آنکھیں کھلی رکھئے۔ کتاب و سنت کی تعلیمات سے بھرپور استفادے کے لئے اپنے آپ کو تیار کیجئے۔ لڑچکر کا اور جو چیزیں اس سلسلے میں بڑی کوشش سے تیار کی جاتی ہیں ان کا اچھی طرح مطالعہ کیجئے۔ اجتماعات میں کاپی قلم ساتھ لیکر آیا کیجئے۔ باقاعدہ طالب علمانہ انداز میں نوٹس تیار کیجئے۔ اللہ کی راہ میں پیسہ اور وقت صرف کر کے آئے ہیں تو ایسے موقعوں پر مشقت برداشت کیجئے یہاں سونے اور آرام کے لئے نہیں بلکہ بیدار رہ کر کچھ سیکھنے کے عزم سے آئیے! اس مشن کا فعال کردار بننے کے لئے یہ از بس ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنے دین کی خدمت کے اس مشن کے ساتھ غلوں اور بے قسمی کے ساتھ جوڑے رکھے اور اس طرح کے اجتماعات سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا کرے۔ آمین!

امیر تنظیم کے افتتاحی کلمات کے بعد راولپنڈی کے ساتھی خلیل الرحمن صاحب نے شرکاء اجتماع کے سامنے تفصیل کے ساتھ تجویز کے کچھ اصول پیش کئے اور پھر انہی اصولوں کی روشنی میں قرأت القرآن کی مشق کرائی۔

اس کے بعد کراچی کے ساتھی سعید احمد صاحب نے سورۃ النحل کی آیت ”وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ“ کے عنوان پر تقریر میں اس بات کو واضح کیا کہ قرآن کی اس آیت میں انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے مقصد اور ان کی دعوت کو مختصر مگر انتہائی جامع انداز میں پیش کیا گیا ہے چنانچہ اس ضمن میں انہوں نے قرآن و حدیث اور دیگر تحریری و عملی شواہد کی روشنی میں طاغوت، طاغوت پرستی اور اس سے اجتناب کی اہمیت کے ساتھ

احبار و رہبان کے طاغوتی کردار پر سیر حاصل بحث کی اور اس اصل الاصول کو کتاب و سنت سے دلائل کی بنیاد پر ثابت کیا کہ صحیح معنوں میں ایمان لانے کے لئے طاغوت کا کفر لازمی ہے، اسی طرح توحید کا اثبات رد شرک کے بغیر ممکن نہیں۔

سعید احمد صاحب کی تقریر کے بعد صوبہ سرحد کے امیر عمر خطاب صاحب نے ”اجتماعیت کے تقاضے“ کے موضوع پر تقریر کی۔ انہوں نے قرآن و حدیث کے متعدد حوالہ جات اور صحابہ کرام کے واقعات کی روشنی میں اجتماعیت کی ضرورت و اہمیت اور اس کے تقاضوں کو واضح کیا۔ اگرچہ عمر خطاب صاحب نے بھی اپنی تقریر سورۃ آل عمران کی کم و بیش انہی آیات کے حوالے سے شروع کی جو صحیح امیر تنظیم کے افتتاحی کلمات کی بنیاد تھیں اور جن میں عمر خطاب صاحب کے موضوع سے متعلق کئی پہلوؤں پر گفتگو ہو چکی تھی تاہم انہوں نے اپنے موثر انداز بیاں اور بعض تکنیکی صلاحیتوں کو کام میں لاتے ہوئے اپنے موضوع سے بھرپور انصاف کیا اور ساتھیوں کو بعض باتوں کی تکرار کا احساس نہیں ہونے دیا۔ بہر حال قرآن و حدیث کے استدلال پر مبنی ان کی تقریر سے اجتماعیت کے جو تقاضے ابھر کر سامنے آ رہے تھے ان کو مختصر الفاظ میں اس طرح پیش کیا جاسکتا ہے۔

(۱) اللہ کی فرمانبرداری اور تقویٰ کی اساس پر قائم اجتماعیت سے وابستگی بطور فریضہ دین۔

(۲) سمع و طاعت یا نظم و ضبط کی پابندی، اطاعت بالمعروف کے اصول پر

(۳) اعتصام بحبل اللہ کے ذریعہ باہمی اختلاف و تفرقہ بازی سے پرہیز

(۴) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اہتمام

(۵) خلوص و بے نفسی

(۶) امانت و دیانت

(۷) عہد کی پاسداری

(۸) عدل و انصاف

(۹) امراء و ناظمین کا خوش خلق ہونا

(۱۰) تنظیم اور اس کی قیادت پر اعتماد اور حسن ظن

(۱۱) اختلاف کی صورت میں کتاب و سنت سے رجوع

(۱۲) آپس میں رابطہ و تعاون

(۱۳) باہمی محبت و اخوت

بعد ازاں کراچی کے سعید احمد صاحب اور لاہور کے ضرار لطیف بٹ صاحب نے مل کر حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت اور فقہ انکار حدیث کے تاریخی پس منظر کی وضاحت کے ساتھ ساتھ حدیث کے تعلق سے منکرین حدیث کے بعض اعتراضات کے مدلل جوابات دیئے۔

صلوٰۃ العصر کے بعد باہمی تعارف کی نشست ہوئی جو صلوٰۃ المغرب کے بعد بھی جاری رہی۔ اس میں شرکاء اجتماع نے اپنا مختصر تعارف اور تنظیم کے ساتھ وابستگی کا عرصہ بیان کیا۔

صلوٰۃ العشاء کے بعد امیر تنظیم نے شرکاء اجتماع کے تحریری سوالات کے جواب دیئے۔ اور اس کے بعد پنجاب و مرکزی شورائی کی میٹنگ ہوئی۔

۲۶ اپریل ۱۹۷۲ء کو صبح بعد صلوٰۃ الفجر آزاد کشمیر کے امیر محمد آزاد صاحب نے سورۃ النساء کے بیسویں رکوع کی چند آیات **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَاسْمُوا لِلَّهِ ذُلًّا** پر مشتمل درس قرآن دیا جس کے بعد اشراق و ناشتے کے لئے وقفہ ہوا۔ وقفے کے بعد یہ کے ساتھی فداء الرحمن صاحب نے سورۃ الاعراف کی آیت ” **لَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ لَقَالَ** **يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ**“ کے حوالے سے انبیاء علیہم السلام کی دعوت اور ان کی قوموں کے طرز عمل اور ان کے انجام کے بارے میں بیان کیا اور قرآنی آیات کے حوالے سے اس بات کو واضح کیا کہ ہر دور میں انبیاء علیہم السلام کی دعوت کے جواب میں مختلف قوموں کا رد عمل یکساں رہا ہے اور تاریخ انسانیت کے ہر دور کے لوگ دعوت حق کے خلاف ایک ہی قسم کی اعتراضات اٹھاتے رہے ہیں۔ فداء الرحمن صاحب کی تقریر کے بعد فہم القرآن کا پروگرام ہوا جس کے دوران مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے دس ساتھیوں نے سورۃ الحشر کے آخری رکوع کی آیت **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَالتَّحْظَرُوا نَفْسَ مَا لَكُمْ لَغْوٌ**..... خبر دے کر عملوں کے حوالے سے متحین وقت میں اپنا اپنا حاصل مطالعہ پیش کیا۔ حج صاحبان نے مقررین کی کوششوں کو سراہا تاہم مقابلے میں بلوچستان کے لال محمد صاحب اول، لاہور کے اعجاز الرحمن صاحب دوم جبکہ جھنگ کے ظفر اقبال صاحب اور جام پور کے فہیم اختر صاحب سوم قرار دیئے گئے۔

فہم القرآن کے پروگرام کے بعد صلوٰۃ النہر اور کھانے کا وقفہ ہوا جس کے بعد صوبہ پنجاب کے امیر حکیم محمد رمضان صاحب نے پنجاب میں دعوتی سرگرمیوں سے متعلق مختصر رپورٹ پیش کی جس میں انہوں نے شرکاء اجتماع کو بتایا کہ پنجاب کے تقریباً تمام بڑے بڑے شہروں میں دعوت الی اللہ اور لڑیچہ کی تقسیم کے پروگرام ہو چکے ہیں۔ اس سلسلے میں پنجاب کے ساتھی ہر ماہ کسی بڑے یا چھوٹے شہر میں ایک دن صبح آٹھ بجے سے صلوٰۃ النہر تک دعوت الی اللہ کا پروگرام کرتے ہیں جس کے دوران دعوتی لڑیچہ بھی تقسیم کیا جاتا ہے۔ پھر امیر پنجاب کی زیر نگرانی اسی شہر کے کسی مقام پر صلوٰۃ النہر کے بعد پنجاب شورائی کی میٹنگ ہوتی ہے جس میں آئندہ کے لئے پروگرام وغیرہ طے ہوتے ہیں۔

اس طرح ۲۶ اپریل کو ساڑھے تین بجے دن امیر تنظیم کے اختتامی کلمات پر یہ دو روزہ اجتماع اختتام پذیر ہوا۔ امیر تنظیم نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے ساتھ اس کا شکر ادا کیا کہ مالک نے ہمیں اس اجتماع میں شرکت کی توفیق بخشی۔ انہوں نے شرکاء اجتماع کے ذوق و شوق اور مبرا اور مختلف پروگراموں میں حصہ لینے والے نیز اجتماع کے انتظامات پر مامور ساتھیوں کی محنت و مشقت کو سراہا اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے اجر کی دعا کی۔ امیر تنظیم نے ناظمین پر بالخصوص زور دیا کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کا زیادہ احساس کریں۔ مختلف اضلاع کے اندر رابطہ پڑھائیں تاکہ دعوت و تبلیغ اور تربیت کا کام جمود کا شکار نہ ہو۔

پڑھے لکھے اور باصلاحیت ساتھی تحقیقی مطالعہ کریں۔ اپنی صلاحیتوں اور اوقات کو اللہ کے دین کے لئے زیادہ سے زیادہ وقف کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حسب توفیق اس راہ میں آگے بڑھنے کی ہمت اور ذوق و شوق سے نوازے۔ آمین۔

امیر تنظیم کے اختتامی کلمات کے بعد شرکاء اجتماع ایک دوسرے سے الوداع ہوئے اور اپنے اپنے علاقوں کی طرف واپس روانہ ہوئے۔

کل پاکستان تربیتی اجتماع برائے ناظمین

گزشتہ سال کے برعکس اس دفعہ ناظمین کا یہ تین روزہ سالانہ تربیتی اجتماع ۱۷ تا ۱۹ اکتوبر ۱۹۹۳ء کراچی کے بجائے ڈیرہ جدید ضلع سرگودھا میں رکھا گیا تھا لیکن عین وقت پر اس کو پوجہ ملتوی کرنا پڑا، جس کی وجہ سے دو دراز کے ساتھیوں کو بروقت اطلاع نہ پہنچنے کی وجہ سے کافی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا، یہاں تک کہ بعض ساتھیوں کو اجتماع گاہ تک سفر کی صعوبت بھی برداشت کرنا پڑی اللہ تعالیٰ اپنی راہ میں ان کی اس مشقت اور تکلیف کو قبول فرما کر باعث اجر و ثواب بنادے! آمین۔

بعد ازاں اسی پروگرام پر مشتمل یہ اجتماع ۳۱ اکتوبر تا ۲ نومبر ۱۹۹۳ء کو مسجد توحید، ڈیرہ جدید سرگودھا میں منعقد ہوا، جس میں پورے پاکستان سے ناظمین اور دیگر ذمہ داران کے علاوہ پنجاب کے ساتھیوں نے بھی شرکت کی۔ کراچی سے تقریباً پانوں ساتھیوں پر مشتمل ایک قافلہ امیر تنظیم کی معیت میں ۳۰ اکتوبر کی رات کو مسجد توحید، ڈیرہ جدید میں پہنچ گیا تھا۔

۳۱ اکتوبر کو صبح صلوٰۃ الفجر کے بعد پنجاب کے امیر حکیم رمضان صاحب نے سورۃ الفرقان کے دوسرے رکوع کی آیات کے حوالے سے درس قرآن دیا۔ حکیم صاحب نے بڑے اچھے اور موثر انداز میں قرآنی آیات اور احادیث نبویؐ سے متعدد برجستہ و بر محل حوالے کچھ اس طرح پیش کئے کہ جنت کی نعمتوں اور جہنم کی سختیوں کا گویا نقش کھینچ دیا۔ حکیم صاحب کے درس قرآن کو اس دفعہ بہت ہی توجہ سے سنا گیا اور غالباً کیسٹ ریکارڈ کرنے والے ساتھیوں کے پاس ان کے درس قرآن کی کیسٹ کی سب سے زیادہ مانگ تھی۔ اللہ تعالیٰ ان کے مطالعہ قرآن فہمی کے ذوق اور حافطے میں زیادتی فرمائے! آمین۔ یہ اللہ کی کتاب کا اعجاز اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو اچھے انداز سے پیش کرنے کا اثر ہے۔ حکیم صاحب کے ایمان افروز درس قرآن کے بعد اشراق اور ناشتے کے لئے وقفہ ہوا۔

پروگرام کے مطابق ٹھیک سوا آٹھ بجے صبح اس اجتماع کا باقاعدہ آغاز سرحد کے امیر عمر خطاب صاحب کے افتتاحی کلمات سے ہوا۔ عمر خطاب صاحب نے سورۃ ال عمران کے آخری رکوع کی آیات کے حوالے سے شرکاء اجتماع کو بتایا کہ آسمان و زمین کی تخلیق، گردش لیل و نهار اور رزق رسانی کے مختلف انتظامات احسانات الہی ہیں۔ کائنات میں پھیلی ہوئی بے شمار آیات عقلمندوں کی یاد دہانی کے لئے کافی ہیں لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے ذریعے بھی یہ انتظام فرمایا ہے دراصل آفاق میں پھیلی ہوئی نشانیاں سب کے لئے یکساں طور پر موجود اور قابل مشاہدہ ہیں لیکن ان پر غور و فکر صرف اہل دل یعنی صاحب عقل ہی کرتے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو السنو ابھکم کی پکار پر اٹھ اٹھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بے شمار آیات آفاق و انفس کے علاوہ ان ذی ہوش و عقل لوگوں کی ہدایت اور تعلیم و تربیت کے لئے

انبیاء۔ ملیم السلام کا سلسلہ جاری فرمایا ہے۔ ایمان کی دعوت پر لبیک کہنے والوں کو معاشرہ ہداہت نہیں کرتا۔ ان کی آزمائش کے لئے ہجرت، قتال اور ایذا رسانی کے مختلف مراحل آتے ہیں جن کو وہ صبر و استقامت کے ساتھ اٹھیں کرتے ہیں پھر اللہ کی راہ میں یہی دام گیران کے گناہوں کا کفارہ اور انجام کار جنت کی لازوال بادشاہی میں داخلے کا سبب بنتی ہے۔ اہل ایمان کے جان و مال کے عوض ان کو جنت کے سوئے کی بشارت دی جاتی ہے۔ اللہ کی راہ میں جہاد، جان و مال کی قربانی ہی سب سے بڑی کامیابی کا باعث بنتی ہے۔ مالک سورۃ التوبہ میں ایسے لوگوں کی صفات بیان کرتا ہے۔ انہی میں اپنے ایسے بندوں کا ذکر فرماتا ہے جو تحصیل علم کے لئے یعنی اللہ کے دین کا علم سیکھنے اور اس کو پھیلانے کے لئے زمین پر گردش کرتے ہیں سفر اختیار کرتے ہیں۔ ابن بطوطہ کی طرز پر نہیں بلکہ صحابہ کرام اور مختلف محدثین کی طرز پر۔ ہم بھی اس اجتماع اور اسی طرح کے دوسرے اجتماعات اور پروگراموں میں ایک مقصد کے تحت شرکت کے لئے آتے ہیں۔ ہم میں سے ہر ایک طالب علم ہے، علامہ نہیں۔ سیکھنے والا ایسے موقعوں پر پورا دھیان دیتا ہے۔ وقت ضائع نہیں کرتا۔ اس لئے ہمیں چاہئے کہ کچھ نہ کچھ سیکھ کر جائیں اور واپس جا کر دوسرے بھائیوں کو سکھائیں۔ دور دراز سے سفر کی تکلیف برداشت کر کے پیسہ اور وقت خرچ کر کے آنے والے اس وقت کو ضائع نہ کریں۔ اجتماع کے دوران بھائیوں کے لئے ایثار و قربانی کا جذبہ پیدا کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق دے۔ آمین!

اقتتاحی کلمات کے بعد اصول تجوید کی تدریس اور قرأت القرآن کی مشق کا پروگرام ہوا جس میں معلم کے فرائض کراچی کے خالد عزیز صاحب نے ادا کئے۔ اس طرح تجوید کا دوسرا پروگرام اجتماع کے آخری روز یعنی ۲ نومبر کو ہوا جس میں مدرس راولپنڈی کے ظلیل الرحمن صاحب تھے۔ ہر دو اصحاب نے شرکاء اجتماع کو تجوید کے اصول سکھائے اور ان کے مطابق قرأت القرآن کی مشق کرائی۔

اصول تجوید کے بعد ۳۱ اکتوبر کو سورۃ النحل کی آیات (نمبر ۲۲۲۰) پر مشتمل قسم القرآن کے پروگرام میں چندہ منٹ دورانیے کی آٹھ تقاریر ہوئیں جس میں مختلف علاقوں کے ساتھیوں نے حصہ لیا۔ اس پروگرام میں مصنفین کے فرائض حسب معمول عمر خطاب صاحب اور قصور کے ناظم ماسٹر طفیل بیگ صاحب نے سرانجام دیئے۔ تقاریر کا معیار ان کے تبصرے کے مطابق مجموعی طور پر بہتر اور حوصلہ افزا تھا تاہم کہیں کہیں موضوع سے انصاف نہیں ہوا۔ انہوں نے بعض اصلاح طلب پیلوؤں کی طرف مقررین کی توجہ مبذول کرائی۔ جج صاحبان کے فیصلے کے مطابق تقاریر کے اس مقابلے میں خوشگلی (سرحد) کے زاہد حیات نے اول، آزاد کشمیر کے محمد افضل بیٹ صاحب اور گلڑہٹ ضلع خانیوال کے رب نواز صاحب نے دوسری اور راولپنڈی کے محمد علی صاحب، ڈیرہ غازی خان کے محمد حنیف صاحب اور ساگھڑ (سندھ) کے غلام اللہ صاحب نے تیسری پوزیشن حاصل کی۔

قسم القرآن کے پروگرام کے بعد طعام اور صلوٰۃ اللہ کے لئے وقفہ ہوا۔ وقفے کے بعد عربی تعلیم کا پروگرام ہوا جس میں سرگودھا کے ناظم ماسٹر عبدالعزیز صاحب نے مدرس کے فرائض انجام دیئے۔ عربی تعلیم کے سلسلے میں دو پروگرام رکھے

مگے تھے چنانچہ ۳۱ اکتوبر کو معلم عربی (حصہ اول) کے اسباق کا اعادہ کرایا گیا جبکہ یکم نومبر کو معلم عربی حصہ دوم کے اسباق پڑھائے گئے۔

صلوۃ العصر کے بعد سے مغرب تک باہمی تعارف کی نشست ہوئی جس کے دوران ساتھیوں نے مختصر طور پر اپنا اپنا تعارف پیش کیا۔

صلوۃ العشاء کے بعد محمد اعظم خان صاحب نے سورۃ الفرقان کے آخری رکوع کی آیات کے حوالے سے تقریر کی جس میں انہوں نے قرآن و سنت کی تعلیمات کی روشنی میں عباد الرحمن کے اوصاف بیان کئے۔

بعد ازاں امیر تنظیم کے ساتھ سوال و جواب کی طویل نشست ہوئی۔ اسی طرح کی ایک اور نشست اگلے روز دن کو ہوئی جن کے دوران شرکاء اجتماع کے سوالوں کے جواب دیئے گئے۔ سوال و جواب کی نشست کے بعد مرکزی شوریٰ کی میٹنگ ہوئی۔

یکم نومبر کو صلوۃ الفجر کے بعد محمدی گل صاحب نے سورۃ البقرہ کی آیت **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كَلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ** (نمبر ۱۷۲) پر مشتمل مفصل درس قرآن دیا جس کو بڑی دلچسپی اور توجہ سے سنا گیا۔ محمدی گل صاحب کے درس قرآن کے بعد اشراق و ناشتے کے لئے وقفہ ہوا۔

پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق تو ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد دعوت الی اللہ کے لئے نکلنا تھا لیکن چونکہ دعوت اللہ کا پروگرام مقامی طور پر دفعہ ۳۴ کی وجہ سے منسوخ کرنا پڑا اس لئے اس وقت کو اس طرح استعمال کیا گیا کہ پہلے جسے میں ڈاکٹر عمر خطاب صاحب کی تقریر ہوئی۔ انہوں نے سورۃ الفاطر کی آیات سے اپنی تقریر کا آغاز کیا اور طبیعت کی خرابی کے باوجود بڑی مدلل اور موثر تقریر کی جس کو بڑی دلچسپی سے سنا گیا۔ ڈاکٹر صاحب کی تقریر کے بعد بقیہ وقت میں صوبائی امراء نے اپنے اپنے علاقوں میں دعوتی سرگرمیوں کی تفصیل بیان کی۔ سب سے پہلے حکیم محمد رمضان صاحب نے پنجاب کے بارے میں شرکاء اجتماع کو تفصیلات سے آگاہ کیا۔ انہوں نے یہ میں مسجد کی تعمیر اور وہاں کے ساتھیوں کی یکسوئی کے ساتھ کام کرنے کے علاوہ مختلف علاقوں میں نئے حلقوں کے قیام کی خوشخبری سنائی جن میں بہاولپور شہر کا خصوصی طور پر ذکر کیا۔ وہاں سے ڈاکٹر ناصر جمیل صاحب کچھ اور ساتھیوں کے ہمراہ اس تین روزہ اجتماع میں شریک تھے۔ پنجاب میں ہر ماہ کسی نہ کسی شہر میں باقاعدہ طے شدہ پروگرام کے مطابق ایک روزہ دعوت الی اللہ اور تقسیم لٹریچر کا پروگرام ہوتا ہے۔ جس میں شرکت کے لئے تقریباً ہر علاقے سے ساتھی آتے ہیں۔ علاوہ ازیں مقامی طور پر مراکز کی سطح پر الگ دعوت الی اللہ کا سلسلہ جاری ہے۔ آئندہ کے لئے صوبہ پنجاب کو مختلف یونٹس میں تقسیم کیا گیا ہے جن میں سہ ماہی تربیتی پروگراموں کے علاوہ دعوت الی اللہ کا بھی انتظام کیا جائے گا انشاء اللہ۔

سرحد کے امیر ڈاکٹر عمر خطاب نے بتایا کہ سرحد میں پنجاب کے برعکس ہمارے مراکز زیادہ تر مہاتوں میں ہیں جس کی وجہ سے بعض دشواریاں ہیں تاہم علاقائی سطح پر جہاں مسجد ہے دعوتی پروگرام بھی ہوتے ہیں۔ اور پھر مسجد میں درس قرآن کا

اہتمام ہوتا ہے۔ ہر ماہ دعوت الی اللہ اور درس قرآن کا پروگرام ہوتا ہے۔ حال ہی میں یہی میں ایک نیا مرکز قائم ہوا اور مسجد کی تعمیر بھی عمل میں آئی ہے۔ وہاں کے ناظم ایرار صاحب بھی اس اجتماع میں شریک تھے۔

سرحد کے بعد صوبہ سندھ کے امیر عبدالغفور صاحب نے اندرون سندھ کی صورت حال سے آگاہ کیا۔ انہوں نے بتایا کہ بھگت اللہ کاندھ کوٹ میں مسجد کی تعمیر مکمل ہو چکی ہے۔ جہاں دعوت و تربیت کا کام حسب استطاعت جاری ہے۔ دعوت توحید کی مخالفت زیادہ تر مولوی کرتے ہیں۔ اویاؤ ڈو میں مسجد کی تعمیر کے لئے کوشش ہو رہی ہے۔ ڈہرکی میں محمد صدیق صاحب مسجد کی تعمیر کے علاوہ چھوٹا سا مدرسہ بھی چلا رہے ہیں۔ بدین میں مسجد ہے، ساتھی بھی ہیں، عبدالصمد صاحب وہاں کے ناظم ہیں۔ ساگڑھ میں نوجوان غلام اللہ اور ان کے چند ساتھی کام کر رہے ہیں۔ شکارپور میں سراج احمد ابیو اللہ کی توفیق سے سرگرم عمل ہیں اور وہ اس اجتماع میں بھی شریک ہیں۔ سکھر میں شبیر احمد انصاری صاحب انفرادی طور پر دعوت کا کام جاری رکھے ہوئے ہیں۔ میرپور خاص سے بھی چند ساتھیوں سے رابطہ ہوا ہے جو دعوت سے اتفاق کرتے ہیں اور صلوٰۃ الجمعہ کا اہتمام کرتے ہیں جن سے جلد ہی ملاقات کی امید ہے۔ کاندھ کوٹ کے ساتھی ماشاء اللہ پوری یکسوئی سے کام کر رہے ہیں۔ امید ہے اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت سے کام بڑھے گا۔

بلوچستان کے قائم مقام امیر لال محمد صاحب چونکہ بیمار ہیں (اللہ انہیں شفا عطا فرمائے آمین) اس لئے ان کی جگہ حکیم محمد رمضان صاحب ہی نے وہاں کے حالات سے ساتھیوں کو آگاہ کیا۔ بستی کوڈی میں جو ہار کھان کی ضلعی ہیڈ کوارٹر رکھتی ہے ذرا فاصلے پر آباد ہے، ہمارے کافی ساتھی اور مساجد بھی ہیں۔ وہیں پر ایک مرکزی مسجد میں صلوٰۃ الجمعہ کا اہتمام ہوتا ہے ساتھی یکسو اور فعال ہیں۔ مختلف مقامات پر دعوتی لڑیچہ تقسیم کرتے ہیں۔ رکنی شہر میں آئندہ انشاء اللہ دعوت الی اللہ کی امید ہے۔ علاوہ ازیں رکنی سے قریب ایک بستی گڈائی ہے، وہاں پر مسجد کی تعمیر عمل میں آچکی ہے وہاں کے ساتھی اور ناظم عبدالکریم صاحب اجتماع میں شریک ہیں۔ آئندہ انشاء اللہ جلد ہی وہاں پر باقاعدہ صلوٰۃ الجمعہ کی ادائیگی کے لئے امید پیدا ہوئی ہے۔

بلوچستان کے بعد آزاد کشمیر کے امیر محمد آزاد صاحب نے وہاں دعوتی سرگرمیوں اور مراکز کی تفصیل سے شرکاء اجتماع کو آگاہ کیا۔ انہوں نے بتایا کہ آزاد کشمیر میں راولا کوٹ کے علاوہ دو فعال مراکز تحصیل محسبہ ضلع میرپور میں دھندڑ اور ہتھورانی میں واقع ہیں۔ الحمد للہ وہاں مساجد کے علاوہ کافی تعداد میں فعال اور مخلص ساتھی بھی ہیں۔ وہاں مقامی سطح پر دعوت کا کام اور صلوٰۃ الجمعہ کا باقاعدہ اہتمام ہوتا ہے ہر دو مقامات سے محمد افضل بیٹ صاحب اور صفدر علی صاحب اپنے کچھ اور ساتھیوں کے ہمراہ اس اجتماع میں شریک ہیں علاوہ ازیں میرپور شہر میں بھی ہمارا ناظم قائم ہے۔ اگرچہ ساتھیوں کی تعداد کم ہے تاہم وہ مقامی طور پر ایک چھوٹی سی مسجد میں صلوٰۃ الجمعہ وغیرہ کا اہتمام کرتے ہیں۔

راولا کوٹ مسجد میں ہر جمعہ کو نوجوانوں کا پروگرام ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ چند روزہ تربیتی پروگرام بھی رکھا گیا ہے جو بعد صلوٰۃ الجمعہ ہوتا ہے۔ الحمد للہ آہستہ آہستہ لوگ دعوت کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں اگرچہ دور افتادہ ہونے کی وجہ سے

ان علاقوں کی کچھ اپنی دشواریاں بھی ہیں تاہم اللہ کا شکر ہے ساتھی یکسو ہیں۔ راولا کوٹ کے تعلق سے ایک حوصلہ افزا خبر یہ ہے کہ حال ہی میں یہاں خواتین کا حلقہ قائم ہوا ہے جس میں دعوت کے کام کی رفتار خاصی حوصلہ افزا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کام میں مزید برکت دے اور ہم سب کو اپنی راہ میں زیادہ ذوق و شوق اور خلوص سے آگے بڑھنے کی توفیق سے نوازے! آمین۔

دعوتی سرگرمیوں پر اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے امیر تنظیم نے فرمایا کہ ملک کے مختلف حصوں میں دعوتی سرگرمیوں کی روداد الحمد للہ حوصلہ افزا ہے اللہ تعالیٰ مزید توفیق عطا فرمائے۔ دعوت الی اللہ کے ساتھ ساتھ تربیتی پروگراموں پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ پنجاب میں یوٹس بننے کے بعد امید ہے انشاء اللہ رابطہ بڑھے گا۔ اس لئے سیرت و کردار میں نکھار پیدا کرنے کے لئے تعلیم و تربیت پر زیادہ توجہ دی جائے۔ کراچی میں بھی دعوت و تربیت کا کام اللہ کی توفیق سے برابر جاری ہے۔ مساجد اور نئے حلقوں میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اس موقع پر امیر تنظیم نے بلوچستان کے لعل محمد صاحب کراچی کے محمد افسر صاحب لاہور کے طارق جاوید صاحب اور حافظ صدیق صاحب (کبیر والہ) کی الہیہ کے لئے شفاء کی دعا کی اور شرکاء اجتماع سے بھی ان کے لئے دعا کی اپیل کی۔ اس کے بعد صلوٰۃ الفجر، طعام و آرام کے لئے وقفہ ہوا۔ جس کے بعد عربی تعلیم کا پروگرام ہوا۔

بعد صلوٰۃ العصر اصول حدیث کی تعلیم کا پروگرام ہوا جس میں بنیادی اصطلاحات کے بارے میں بتایا گیا۔ مدرس کے فرائض کراچی کے یعقوب علی صاحب نے انجام دیئے۔ یہ پروگرام مغرب تک چلا۔ ساتھیوں نے دلچسپی سے سنا۔ اس سہ روزہ تربیتی اجتماع میں اصول حدیث کی تعلیم کے دو پروگرام رکھے گئے تھے۔ چنانچہ اس سلسلے کا دوسرا پروگرام اگلے روز یعنی ۲ نومبر کو ہوا۔

صلوٰۃ المغرب اور طعام کے وقفے کے اختتام پر بعد صلوٰۃ العشاء کبیر والہ کے ماسٹر سرفراز صاحب سورۃ الزمر کی آیات والنہن اجتنبوا الطاغوت ان یعبدوا..... کے حوالے سے پنجابی زبان میں بڑی مفصل اور موثر تقریر کی۔ انہوں نے انبیاء علیہم السلام کی دعوت کے دو پہلوؤں اللہ کی بندگی اور طاغوت سے اجتناب کو قرآن و حدیث کے حوالوں سے واضح کرتے ہوئے ان کو ایمان کی لازمی شرائط قرار دیا اور بتایا کہ یہ انسانیت کے لئے ایک جوہری اور محوری مسئلہ ہے اس کے بعد انہوں نے طاغوت کی وضاحت کرتے ہوئے اس کی مختلف صورتوں کی نشاندہی کی اور کہا کہ اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری اور اس سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ طاغوت کا کفر اس سے برأت و بیزاری کا اظہار کیا جائے۔ ورنہ معاملہ اس کے برعکس ہو جائے گا جیسا کہ فرمایا گیا۔ والنہن کلوا اولیاءہم الطاغوت (البقرة : ۲۵۷) اسی ضمن میں ماسٹر سرفراز صاحب نے اشاعت التوحید و السنہ کے اکابر حسین علی صاحب آف دہلی پراں کے بشارات سے جو انہوں نے اپنی تفسیر کے ساتھ لگائے ہیں، شرکاء اجتماع کو آگاہ کیا جن میں وہ نبی علیہ السلام عثمان و علی رضی اللہ عنہما کو دیکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں اور یہ کہ ”نبی علیہ السلام مجھے اپنے حجرے میں لے گئے میرے منہ میں اپنا لعاب ڈالا“ اور یہاں تک کہ انہوں نے اللہ کو دیکھا۔ اللہ

نے ان سے کہا کہ میں نے حمیس بخش دیا اور ان کو بھی جنہوں نے تیری پیروی کی وغیرہ وغیرہ (نحوذ باللہ)۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ فرقے کس طرح طاغوت پرستی کی لعنت کا شکار ہیں۔

۲ نومبر کو صلوٰۃ الفجر کے بعد آزاد کشمیر کے امیر محمد آزاد صاحب نے آیت البر (البقرة : ۱۷۷) کے حوالے سے درس قرآن دیا جس میں نیکی کے حقیقی تصور کو واضح کیا گیا ہے۔ انہوں نے اس ضمن میں متعلقہ آیات قرآنی کے علاوہ احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے بالخصوص بہت ہی موثر مثالیں پیش کیں جن کو دلچسپی کے ساتھ سنا گیا۔ درس قرآن کے بعد اشراق دانش کے لئے وقفہ ہوا۔

وقفے کے بعد پہلے اصول تجوید اور پھر اصول حدیث کی تعلیم کا پروگرام ہوا۔ مدرسین کی ذمہ داری علی الترتیب قاری ظلیل الرحمن صاحب اور یعقوب علی صاحب نے سرانجام دی۔ مندرجہ بالا تعلیمی پروگراموں کے بعد پہلے بخش خان (ضلع بہاولنگر) کے محمد حسین قادوقی صاحب نے مختصر تقریر کی پھر کراچی کے سعید احمد صاحب کی تقریر ہوئی۔ سعید احمد صاحب نے اپنی تقریر کا آغاز سورۃ یونس کی آیات (۹۱-۹۲) المؤمن کی آیت نمبر ۵۶ اور سورۃ النمل کی آیات (۲۰-۲۱) کی تلاوت سے کیا جن کی تشریح کے بعد انہوں نے قرآن و حدیث کے مختلف حوالوں سے اعادہ روح کے باطل عقیدے کی تردید اور عذاب قبر کے سلسلے میں ضروری وضاحت کی اور موجودہ مسالک میں اعادہ روح اور مرنے کے بعد اسی قبر میں جسد عنصری کو عذاب قبر ہونے کا جو غلط اور کتاب و سنت کے برخلاف عقیدہ پایا جاتا ہے اس کو قرآن و حدیث کے دلائل سے رد کیا۔

سعید احمد صاحب کی تقریر اگرچہ مختصر تھی مگر قرآن و حدیث کے دلائل کے اعتبار سے بڑی موثر تھی چنانچہ اس کو شرکاء اجتماع نے کافی پسند کیا۔ اس کے بعد طعام و صلوٰۃ الفجر کے لئے وقفہ ہوا۔

صلوٰۃ الفجر کے بعد امیر تنظیم کے اختتامی کلمات پر یہ سہ روزہ تربیتی اجتماع اختتام پذیر ہوا۔ امیر تنظیم نے سورۃ الحديد کی آیت سابقوا الی مغفرة من ربکم وجنتہ... (۲۱) کے حوالے سے بتایا کہ دنیا کی زندگی کی حقیقت اور آخرت کے انجام کی صورت حال انسان کے پیش نظر رہنی چاہئے۔ یہ انجام دنیا کی زندگی میں انسان کے طرز عمل کا نتیجہ ہوتا ہے اس کی دو صورتیں ہیں یا تو عذاب شدید یا اللہ کی مغفرت اور وسیع و عریض جنتیں اور اللہ کی رضا و خوشنودی ہمیشہ کے لئے۔ اب ان میں سے چھانٹنا ہے اور اس کے لئے مقابلے میں آگے بڑھنے کے لئے بازی کھیلنا ہے۔ دنیا کا نام و نمود، یہاں کی لذتیں، اونچے مکانات ان جنتوں کے مقابلے میں بے کار ہیں جن کی چوڑائی زمین و آسمان کے برابر ہوگی۔ یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے نوازتا ہے مگر شرط ایمان خالص ہے، ایسا ایمان جو شرک اور شک وارتباب سے پاک ہو اور اس کا تقاضا اللہ کی راہ میں جان و مال کی بازی کھیل کر پورا کیا گیا ہو۔ قرآن کی آیات اس طرف سبقت کی تعلیم دیتی ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے اس میدان میں سبقت کا حق ادا کیا، فلاح یاب ہوئے۔ ہمارے لئے بھی یہی صورت آئینڈیل اور نمونے کی حیثیت رکھتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا بے حد فضل و کرم اور اس کا شکر ہے کہ ایسی اجتماعیت سے تعلق رکھ کر، جس کا مسلح نظر دنیاوی مفادات نہیں، ایسے اجتماعات میں اکٹھا ہونے کی توفیق ملتی ہے۔ اس کا حق ادا کرنا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے سے

عہدہ براہونے کے لئے اپنے آپ کو تیار کرنا ضروری ہے۔ اسی مقصد کے لئے یہ پروگرام مرتب کئے جاتے ہیں، وقتاً فوقتاً صوبائی اور مرکزی سطح پر۔ آخرت کے طلبگاروں کا انداز یہ ہونا چاہئے کہ اصل مقصد کو سامنے رکھ کر ایسی چیزوں سے فائدہ اٹھائیں۔ حاصل کردہ چیزوں کو ضائع نہ ہونے دیں بلکہ مزید حاصل کرنے کی جستجو رہنی چاہئے۔ شیطانی کاوشیں آپ کو راہ راست سے ہٹا دینے کے لئے برابر ہو رہی ہیں، اس لئے آپس میں روابط رکھئے اور مستعد رہئے۔ اپنے آپ کو اور اپنے بھائیوں کو ان کی مخالفت آرائیوں اور شرانگیزیوں سے محفوظ رکھنے کے لئے کوشش کیجئے اپنے رب سے مدد مانگئے۔ اللہ ہمیں ہر طرح کے شر سے محفوظ رکھے! اللہ کا شکر ہے یہ سہ روزہ پروگرام بخیر و عافیت اختتام پذیر ہوا۔ بھائیوں نے خدمت کا حق ادا کیا۔ اللہ کے لئے مال لگایا۔ ان کا اجر تو اللہ کے ہاں ہے۔ ہماری دعا ہے کہ مالک ان کو برکتوں سے نوازے! آمین۔

پروگرام میں تبدیلی کے لئے معذرت خواہ ہیں، بات ہمارے بس سے باہر تھی۔ ساتھیوں کی تکلیف پر اللہ ان کو اجر دے گا، بہر حال ہم معذرت خواہ ہیں۔ آئندہ پروگرام میں اس کا بھرپور خیال رکھا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں خیر کی توفیق دے! آمین۔ امیر تنظیم کے اختتامی کلمات کے بعد شرکاء اجتماع اپنے اپنے مقامات کی طرف لوٹ گئے۔



بقیہ

سلا

سوال و جواب

مکی وہیب بن خالد اور سلیمان تہی کا کہنا ہے اور مکی کچھ دوسروں نے بھی کہا ہے۔ یہ کذب اور شیعہ ہے جس نے بریاد کر ڈالا ہے۔ لوگوں نے اس کی بات کو مانا ہے حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مسلم میں آتی ہے کہ امام پڑھے تو خاموش رہو۔ امام مسلم زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا فتویٰ لائے ہیں کہ جو امام کے پیچھے ہے اس کے اوپر شی من القراءة نہیں ہے۔ سورۃ فاتحہ ہو یا غیر فاتحہ، ترمذی لائے ہیں حسن صحیح کہہ کر، موطا لائے ہیں جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا قول کہ بغیر سورۃ فاتحہ کے نماز نہیں ہوتی سوائے اس کے کہ اگر کوئی امام کے پیچھے ہو۔ یہ معاملہ ہے، جہاں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے وہ حدیث بیان کی کہ سورۃ فاتحہ کی کتنی فضیلت ہے۔ ان کے ساتھی نے پوچھا کہ اگر میں امام کے پیچھے ہوں تو کیا کروں؟ فرمایا اپنے دل میں پڑھو، اقراء بھالی نفسک، زبان سے نہیں پڑھنا ہے۔

سلسلہ سوال و جواب

ڈاکٹر مسعود الدین صاحب عثمانی رحمة اللہ علیہ

مفتی
محمد سلمان علیہ رحمۃ اللہ
فیضیالرحمن

سوال نمبر ۲۰۔ کیا چاروں اماموں میں سے کسی ایک کی تقلید ضروری ہے؟

جواب :- ہرگز نہیں ہمارے لئے صرف کتاب و سنت کی تقلید ضروری ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جتہ الوداع کے موقع پر فرمایا:

تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ وَمَا تَكُنْ لَهُ مِنَ الْخُشُوعِ (موطا امام مالک)

ترجمہ :- ”میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ کبھی گمراہ نہ ہو گے اگر انہیں تمہارے رہو گے

ایک کتاب اللہ اور دوسری میری سنت“

معلوم ہوا کہ ایک کی نہیں دو کی پیروی ضروری ہے۔ ان میں سے کسی امام نے یہ نہیں کہا کہ ہمارے بعد حنفی مالکی یا شافعی ہو جائے۔ انہوں نے کوئی نئی شریعت نہیں بنائی ہے یہ سارے مسلک تو بعد میں بنے ہیں۔ ہاں ان اماموں سے کوئی ایسی بات ہم تک پہنچے جو قرآن و حدیث کے مطابق ہو اسے ہم بالکل تسلیم کریں گے۔ شریعت صرف اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی چلے گی۔ قرآن بھی یہی کہتا ہے:

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ..... (النور ۵۴)

ترجمہ :- ”کہہ دو کہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو“

اب اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ ایک امام کی تقلید لازم ہے تو وہ واضح طور پر قرآن و حدیث کا انکار کرتا ہے۔

سوال نمبر ۲۱۔ یہ تقدیر کا مسئلہ کیا ہے؟

جواب :- تقدیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور پھر اسکی تقدیر یعنی اندازہ مقرر کر دیا ہے۔ اس مسئلہ کی کھوج میں زیادہ نہیں پڑنا چاہئے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلے قومیں اسی مسئلہ کے پیچھے پڑنے کی وجہ سے

ہلاک کر دی گئیں۔ انسان کو محدود عقل دی گئی ہے، جو بات اس کی عقل میں آجاتی ہے وہ سمجھ لیتا ہے۔ تقدیر ایسی چیز ہے جو انسان نہیں سمجھ سکتا۔ صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ اللہ سے پوچھا کہ جب سب کچھ لکھا جا چکا ہے تو پھر ہم عمل کیوں کریں؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اتنا کہا کہ عمل کرو، اللہ نے جو کچھ لکھ دیا ہے وہ تمہارے لئے آسان کر دیا۔ پس اس سے آگے نہیں سوچنا چاہئے۔ تقدیر حق ہے اسی پر ایمان ہونا چاہئے جیسا کہ ارشاد ہوا ہے۔

ان اللہ بالغ امرہ قد جعل اللہ لكل شئ قنطرة (الطلاق ۳)

ترجمہ : ”یہ تک اللہ اپنے کام کو پورا کر دیتا ہے۔ یقیناً اللہ نے ہر چیز کا اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔“

سوال نمبر ۳۳۰۔ کیا یہ درست ہے کہ آدم علیہ السلام کی دعا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے قبول ہوئی؟

جواب :- بالکل جھوٹ اور صریح بہتان ہے جو اللہ کے پہلے نبی آدم علیہ السلام پر باندھا گیا ہے۔ یہ ایک بالکل جھوٹی اور من گھڑت روایت ہے۔ اسے اہل سنت والے تو بیان کرتے ہی ہیں دیوبندیوں کی (جو اپنے آپ کو موحّد کہتے ہیں) ایک شاخ تبلیغی جماعت کے بانی زکریا صاحب نے بھی اپنی کتاب تبلیغی نصاب میں (جس کا موجودہ نام فضائل اعمال ہے) تحریر کیا ہے۔ اس موضوع روایت میں یہ ہے کہ جب آدم علیہ السلام سے گناہ سرزد ہو گیا تو آپ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا مانگی اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ تمہیں محمدؐ کے بارے میں کیسے علم ہوا تو انہوں نے کہا کہ یہ نام میں نے عرش پر لکھا ہوا دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم نے ٹھیک کہا وہ تمہاری اولاد میں سے ہوں گے اور آخری نبی ہوں گے اگر وہ نہ ہوتے تو میں کائنات پیدا نہ کرتا۔ بتائیے اس سے بڑا جھوٹ اور کیا ہو گا۔ مالک تو قرآن میں جگہ جگہ پوری انسانیت کو خطاب کر کے کہتا ہے کہ اے لوگو! یہ زمین و آسمان تمہارے لئے بچھائے گئے ہیں یہ سورج چاند اور ستارے تمہارے لئے مسخر کئے گئے ہیں۔ پھل اناج اور سارے میوہ جات تمہارے لئے پیدا کئے گئے ہیں تاکہ تم انہیں استعمال کرو اور پھر اپنے رب کا شکر یہ ادا کرو اور خالص اسی کی بندگی کرو۔

وما خلقت الجن والانس الا ليعبدون۔ (الذاریات ۵۶)

ترجمہ : ”میں نے جن و انس کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں۔“

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ اس کی بندگی کی جائے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے اپنی بندگی کرنے اور کرانے کے لئے بھیجا تھا۔ دوسرا جھوٹ اسی روایت میں یہ ہے کہ آدم علیہ السلام نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا مانگی حالانکہ قرآن تو کہتا ہے کہ جب آدم علیہ السلام سے غلطی ہو گئی تو ان کے پاس توبہ اور معافی کے لئے الفاظ نہیں تھے۔ انہوں نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھے اور پھر توبہ کی۔

فلتلقى آدم من ربه كلمات فتاب عليه..... (البقرہ ۲۳)

ترجمہ : ”پس آدم علیہ السلام نے کچھ کلمات اپنے رب سے سیکھے (اور معافی طلب کی) تو اس نے ان کو معاف کر دیا۔“

اور وہ کلمات بھی مالک نے اپنی کتاب میں بیان فرمادیئے:

وَبِنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ (الاعراف: ۲۷)

ترجمہ: "اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، اگر تو نے ہمیں معاف نہ کیا اور ہمارے اوپر رحم

نہ کیا تو ہم خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔"

صاف پتہ چل گیا کہ یہ موضوع حدیث قرآن سے سراسر متضاد ہے اور بیان کرنے کے قابل بھی نہیں ہے۔ لیکن

ذکر کیا صاحب نے اس حدیث کو نہ صرف اپنی کتاب میں تحریر کیا ہے بلکہ اس پر عقیدہ بتاتے ہوئے یہ بھی کہا ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا مانگی جائے تو وہ قبول ہوتی ہے۔ اب جس جماعت کی بنیاد ہی کفر و شرک پر ہے تو آگے اس کا کیا حال ہو گا یہ آپ خود سمجھ سکتے ہیں۔

سوال نمبر ۳۴۔ کیا نماز درود پڑھے بغیر ہو جاتی ہے؟

جواب: بالکل ہو جاتی ہے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلہ میں کوئی قید نہیں لگائی ہے کہ جب تک تشہد میں درود نہ پڑھو تو نماز نہیں ہوگی۔ سنت کا قاعدہ یہ ہے کہ التحیات پڑھو اور اس کے بعد جو بھی دعا تمہیں مرغوب اور پسندیدہ ہو اسے پڑھو۔ ایک مسلمان کے لئے پسندیدہ یہی ہے کہ وہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اللہ سے رحمت کی دعا کرے جو اللہ کے آخری نبیؐ بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اس دعا سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آپ اللہ کی رحمت کے محتاج ہیں، اللہ کے ساتھ شریک نہیں۔ پھر اس دعا کے بعد جو دعا وہ پڑھنا چاہئے پڑھے چاہے وہ اپنے لئے ہو، اپنے والدین کے لئے ہو یا دنیا و آخرت کی رسوائی سے بچنے اور جہنم کی آگ سے خلاصی کے لئے ہو، تشہد میں ہر قسم کی دعائیں مانگی جاسکتی ہیں۔ کیونکہ ساری دعائیں سلام سے قبل تشہد ہی میں ہیں اسی لئے بخاری نے باب باندھا ہے "الدعا قبل السلام" سلام کے بعد کوئی دعا نہیں صرف ذکر ہے۔

سوال نمبر ۳۵۔ کھجور کی ٹھلیوں پر یاد انوں پر تسبیح پڑھنا جیسا کہ آج کل لوگ کرتے ہیں کیسا ہے؟

جواب: یہ بدعت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ہاتھ کی انگلیوں پر تسبیح پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ انگلیاں قیامت کے دن تسبیح پڑھنے والے کے حق میں گواہی دیں گی۔ (ترمذی و ابوداؤد)

سوال نمبر ۳۶۔ نماز استحارہ کے بارے میں بتائے۔

جواب: اس بارے میں بخاری، ابوداؤد اور ترمذی روایتیں لائے ہیں۔ بخاری میں جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعائے استحارہ اس طرح سکھاتے تھے جیسے قرآن کی کوئی سورۃ سکھاتے۔ آپؐ نے فرمایا تم میں سے کوئی اگر کسی کام کا ارادہ کرے تو دو رکعت نماز پڑھے اور پھر یہ دعا پڑھے۔

اللهم انی استخیرک بعلمک..... الخ

اور جب وہ یہاں تک پہنچے کہ

اللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنْ هٰذِهِ اَلْاَمْرُ خَيْرٌ لِّىْ فِىْ دِيْنِىْ وَ مَعَاشِىْ.....

تو اپنے اس کام کو زبان سے کہے اور اگر عربی نہیں جانتا ہے تو دل میں تصور کر لے۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ہر کام کرنے سے پہلے استخارہ کا حکم دیتے۔ کچھ روایتوں میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص سب سے مشورہ کرے لیکن اللہ سے استخارہ نہ کرے وہ بڑا بد نصیب ہے۔ جو کوئی اللہ سے استخارہ کرتا ہے اللہ اس کے لئے آسانی پیدا کرتا ہے۔ البتہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ استخارہ کرنے کے بعد اس کام کی اچھائی یا برائی خواب میں معلوم ہو جاتی ہے۔ یہ غلط بات ہے اسکا حدیث سے کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

سوال نمبر ۷۰: ڈاکٹر صاحب اگر کسی مسجد میں ”یا محمد“ ”یا رسول اللہ“ وغیرہ لکھا ہو تو ایسی مسجد میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

جواب :- جن مساجد میں ایسے کلمات لکھے ہوں وہ مسجدیں نہیں ہیں بلکہ عبادت گاہیں ہیں کیونکہ مالک ارشاد فرماتا ہے۔

وَ اِنْ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللّٰهِ اٰحٰلًا ۝..... (سورة الجن : ۱۸)

ترجمہ :- ”اور بیشک مسجدیں تو اللہ ہی کے لئے ہیں پس (وہاں) اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو“

ایسے لوگ جو اللہ کے ساتھ دوسروں کو اس کی ذات، صفات اور اختیارات میں شریک کرتے ہوں۔ دوسروں کے نعرے لگاتے ہوں، دوسروں کو داتا، دھکیور اور مشکل کشا گردانتے ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی قبر میں زندہ سمجھتے ہوں، تعویذ لکاتے ہوں، اللہ کو بغیر واسطہ اور وسیلہ کے نہ پکارتے ہوں ان پر تو نماز فرض ہی نہیں ہے۔ نماز تو مالک نے صرف مومنوں پر فرض کی ہے (النساء) ایسے لوگوں کو تو مسجد تعمیر کرنے کا بھی کوئی حق نہیں۔ مالک فرماتا ہے:

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِ اَنْ يَعْمُرَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ شَاهِدِينَ عَلَىٰ اَنْفُسِهِم بِالْكَفْرِ (التوبة ۱۷)

ترجمہ :- ”مشرکوں کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اللہ کی مساجد تعمیر کریں اور آباد کریں جبکہ وہ اپنے آپ پر کفر

کی گواہی بھی دے رہے ہوں“

پس مالک کے ان ارشادات کے مطابق ایسی مسجدوں میں جہاں اللہ کے ساتھ کفر و شرک کیا جا رہا ہو وہاں مومنوں کو انفرادی نماز بھی نہیں پڑھنی چاہئے۔ مشرکوں کے پیچھے نماز پڑھنے کی تو کوئی گنجائش ہی نہیں۔

سوال :- صحیح حدیث سے جسر استراحت اور تورک ثابت ہے۔ کیا اس کا کرنا لازم ہے؟ اگر نہیں تو اس کو حدیث سے ثابت کریں۔

جواب :- بخاری اس کو لائے ہیں ابو حمید ساعدیؒ کی روایت میں اور اس میں انہوں نے دکھایا ہے کہ عبد اللہ بن عبد اللہؒ جب نماز میں چار زانو ہو کر بیٹھے تو ان کے والد عبد اللہ بن عمرؒ نے استفار کیا کہ تم اس طرح کیوں بیٹھے ہو تو انہوں نے جواب دیا کہ بابا میں نے آپ کو دیکھا ہے کہ آپ اسی طرح بیٹھتے ہیں۔ اس پر انہوں نے کہا کہ یہ تو میرے لئے معذوری ہے

اس لئے اس طرح بیٹھتا ہوں ورنہ اس طرح بیٹھنا نہیں چاہئے بلکہ دو زانو ہو کر بیٹھنا چاہئے۔

تو بخاری یہ لائے کے بعد ابو حمید ساعدیؓ کی روایت اسی باب میں لائے ہیں اور اس طرف اشارہ کر دیا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری وقت میں ابو حمید ساعدیؓ نے دیکھا ہے تو اس وقت تو وہ آپؐ کا عذر تھا۔ تو اس طرح یہ عذر کا معاملہ ہے ورنہ مسلم کی حدیث میں ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم قعدے میں بیٹھتے تھے تو دایاں پیر کھڑا رکھتے تھے اور بائیں پیر کو بچھالیا کرتے تھے اور اس پر بیٹھتے تھے۔ بخاری اس بات کو اس انداز سے لائے ہیں کہ یہ عذر کا معاملہ ہے۔ جیسے جلسہ استراحت کو بھی لائے ہیں کہ یہ عام قاعدہ نہیں ہے بلکہ مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی روایت لا کر باب باندھا "من استوی قاعدا فی و تومن صلوٰتہ ثم نہض" کہ اگر کوئی پہلی اور تیسری رکعت میں جم کر بیٹھ جائے پھر اٹھے تب بھی جائز ہے کیونکہ یہ اصلی قعدہ نہیں ہے۔ اس کو جزو نماز بنانے والوں نے پانچ روایتوں کو جو مختلف صحابہؓ سے ہیں ملا کر ایک ایسی نماز بنائی ہے جو کسی ایک صحابی کی بھی نہیں ہے۔

جلسہ استراحت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے اس کے اندر رفع یدین بھی ہے اور تورک کی روایت ابو حمید ساعدیؓ سے ہے جس کے اندر رفع یدین نہیں ہے ان سب کو ملا کر ایک نماز بنا دی ہے جو ایک صحابی سے ثابت نہیں جو بالکل عجیب اور نادر نماز ہے۔ تو اس طرح بتایا کہ یہ تورک ہے بالکل جائز ہے کیونکہ بخاری کی حدیث کے مطابق کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ جب آپؐ کا جسم بھاری ہو گیا تو بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے۔ یہاں بھی اشارہ فرمادیا کہ بالکل اسی طرح جیسے عبد اللہ بن عمرؓ چار زانو ہو کر بیٹھتے تھے وہ بھی مجبوری سے اسی طرح اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی یہ مجبوری تھی اور یہ صحیح ہے کہ جو ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں بالکل انہوں نے دیکھا ہے۔

سوال : کیا یہ حدیث صحیح ہے کہ نبی علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب میں بلند آواز سے قرأت کروں تو قرآن میں سے کچھ نہ پڑھو سوائے سورہ فاتحہ کے کیونکہ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی؟

جواب : بالکل غلط ہے یہ ایک صرف محمد بن اسحاق بن یسار جو شیعہ ہے جس نے دین کو برباد کیا ہے یہ صرف اس کا تقوہ ہے۔ عبادہ بن صابت رضی اللہ عنہ کے نام سے جہاں اس نے اور بربادیاں کی ہیں کہ عائشہ رضی اللہ عنہ کہتی تھیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج ہمسائی نہیں تھی اور یہی بات امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے اس نے منسوب کی ہے۔ یہی محمد بن اسحاق ہے جو کہتا ہے کہ عبد اللہ بن عمرؓ اپنے بچوں کے گھوں میں تعویذ لٹکاتے تھے۔ یہ ساری کفر و شرک اور شیعت کی باتیں اس ظالم نے عام کر دی ہیں اس انداز میں۔ اور اس حدیث کے اندر بھی اس کا تقوہ ہے۔ یہ مدلس بھی ہے عن سے روایت کرتا ہے۔ اس کو امام مالکؒ کہتے ہیں دجال من الدجال۔ حشام کہتے ہیں حدیث گھڑنے والا وضاع اور کذاب ہے۔

مومنوں کے باہمی تعلقات

محمد اعظم خان

اہل ایمان و دنیا میں ایسی انقلابی تحریک کے داعی ہوتے ہیں جس کا مقصد وحشی عالمگیر انقلاب برپا کرنا ہے۔ ایک ایسا انقلاب جس کے نتیجے میں سارے عالم پر اللہ وحد لا شریک کی حکمرانی، اس کی بڑائی و برتری بالفضل قائم ہو اور ساری انسانیت اپنے حقیقی خالق و مالک کی بندگی کے رشتے میں منسلک ہو کر رب ذوالجلال کی کائنات میں اس کی حمد و ثناء اور تسبیح بیان کرنے والی دیگر مخلوقات کے ساتھ ہم آہنگ ہو جائے، فساد فی الارض کو ہوا دینے والی شیطانی تحریک اور اس کی موسیّد اللہ کی نافرمانی پر آمادہ انسانی مساعی دم توڑ دے اور اس طرح اللہ کی یہ زمین جو انسانیت کی بغاوت و سرکشی، کفر و شرک اور الحاد کی تحریکوں کے زیر اثر ظہور الفساد فی البر والبحر کا نقشہ پیش کرتے ہوئے خود اس کے لئے آتش کدہ بنی ہوئی ہے، ایمان و اسلام کی برکت سے امن و سلامتی کا گوارہ بن جائے۔

ایسی مبارک تحریک کے مخلص ساتھیوں کی عملی تربیت کے لئے دعوت و تبلیغ اور جماعتی سبیل اللہ کا ایک وسیع میدان ہے جو ایک مسلسل اور بہیم عمل ہے لیکن اس راہ میں قدم قدم پر مڑا متیں اور محالفتیں ہیں، نت نئے فتنے اور شرانگیزیوں ہیں جن سے اہل ایمان کو دوچار ہونا پڑتا ہے۔ چنانچہ اس طویل و جاں گسل جدوجہد اور صبر آزما کوشش میں کامیابی سے آگے بڑھنے کے لئے اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ کتاب و سنت کی تعلیمات میں ایمانداروں سے جس طرز کے سیرت و کردار، جذبہ ایثار و قربانی، باہمی تعلقات اور بھائی چارے کا تقاضہ کیا گیا ہے اس کو اچھی طرح سمجھنے کے بعد عملی طور پر اپنایا جائے تاکہ اس انداز سے پر دان چڑھنے والی اجتماعیت سے منسلک ایماندار ساتھی دنیا والوں کے لئے ایک قابل عمل نمونہ بنیں اور یہ دعوت آج کی درماندہ و سیاسی انسانیت کی توجہ کا مرکز بنے۔ اس طرح ان کی کوششیں مطلوبہ برگ و بار لائیں اور وہ دنیا و آخرت میں اللہ کی رحمت و مغفرت کے مستحق ٹھہریں۔

قرآن و حدیث کے حوالے سے ایمان والوں کے درمیان باہمی تعلقات اور بھائی چارے کی نوعیت اور ان کو برقرار رکھنے کے سلسلے میں سیرت و کردار کی جن بنیادی خصوصیات اور ضروریات کی طرف رہنمائی فرمائی گئی ہے۔ ان کی مختصر تفصیل درج ذیل طور میں بیان کی جاتی ہے۔

اخوت و محبت

قرآن کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے ہمیشہ جاہلانہ عصبیتوں اور گروہ بندیوں کی

عام روش سے ہٹ کر خالص ایمان و عقیدت کی بنیاد پر انسانیت کی شیرازہ بندی کی ہے اور الھکم اللہ واحد کی بنیادی دعوت پر بلیک کئے والوں پر مشتمل ایک اجتماعیت قائم کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے درمیان قائم ہونے والے اس رشتے کی وسعت اور گہرائی کے اظہار کے لئے قرآن میں ”اخوة“ کا لفظ استعمال کیا ہے چنانچہ فرمایا :

انما المؤمنون اخوة فاصبحوا بن اخوتکم۔ (المحجرت : ۱۰)

”مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں لہذا اپنے بھائیوں کے درمیان (تعلقات میں) اصلاح کیا کرو۔“

قرآن کی یہ آیت ساری دنیا کے مسلمانوں کو جو ایمان کے رشتے میں منسلک ہیں، آپس میں ایک برادری کے تعلق میں جوڑتی ہے۔ ان کے درمیان عقیدہ و فکر کی ہم آہنگی پر مبنی یہی وہ تعلق ہے جسے اخوت کہتے ہیں اور جو اہل ایمان کے قلوب میں باہمی محبت (العحب للہ) کی اصل بنیاد ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی اہمیت اور اس کے تقاضے کو نبی علیہ السلام نے بڑی وضاحت سے بیان فرمایا ہے تاکہ ایمان والوں کے اندر صحیح معنوں میں اس کا احساس جاگزیں ہو اور وہ اس کی قدر وانی کا حق ادا کر سکیں۔ احادیث رسولؐ ملاحظہ فرمائیے۔

○..... ”مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اس کو بے یار و مددگار چھوڑتا ہے۔ جو اپنے بھائی کی ضرورت میں کام آتا ہے اللہ اس کی ضرورت میں کام آئے گا اور جو کسی مسلمان سے تکلیف دور کرتا ہے اللہ اسے قیامت کے مصائب میں سے ایک مصیبت سے نجات عطا فرمائے گا اور جو کسی مسلمان کی پرہیزگاری کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پرہیزگاری فرمائے گا۔“ (متفق علیہ)

○..... ”مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس سے بددیا نسی کرتا ہے نہ اس سے جھوٹ بولتا ہے اور نہ اس کی مدد سے ہاتھ کھینچتا ہے۔ ہر مسلمان کی عزت مال اور خون دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔“ (ترمذی)

○..... ”مومنوں کی مثال آپس میں رحمہلی الفت و لگاؤ اور باہمی تکلیف کے احساس میں ایسی ہے جیسے ایک جسم کہ اگر اس کے ایک عضو کو تکلیف ہو تو سارا جسم اس کی وجہ سے بخار و سہ خرابی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔“ (متفق علیہ)

○..... ”مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان بچے رہیں۔“ (بخاری)

○..... ”ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کی جان و مال اور عزت حرام ہے۔“ (مسلم)

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں میں ایمان کے رشتے کی وجہ سے جو باہمی محبت اور الفت کا جذبہ پیدا فرمایا ہے وہ اس کے عظیم احسانات میں سے ہے۔ چنانچہ سورۃ آل عمران میں اہل ایمان کو اس کی یاد دہانی ان الفاظ میں کرائی گئی ہے۔

واذکروا نعمت اللہ علیکم اذکنتم اعداء فآلّف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا (آیت نمبر ۱۰۳)

”اور یاد کرو اللہ کی اس نعمت کو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کی مرہانی سے بھائی بھائی ہو گئے۔“

کہیں نبی علیہ السلام کو خطاب کر کے فرمایا گیا کہ یہ ہمارا ہی فضل و کرم تھا کہ ہم نے کفار کے مقابلے میں آپؐ کو اپنی نصرت اور اہل ایمان کے دلوں میں الفت ڈال کر ان کے تعاون سے نوازا، ورنہ آپؐ سارے جہاں کی دولت خرچ کر کے بھی ان کے دلوں میں آپس کی نفرت اور عداوت سے بھرے ہوئے جذبات کی جگہ الفت نہیں ڈال سکتے تھے ۔

هو الذي ابدك بنصره وبالمؤمنين ○ وائف من قلوبهم لو انفتحت مالي الارض جميعاً ما الفت بين قلوبهم ولكن الله اائف بينهم۔ (الافعال : ٢٣-٢٤)

”یعنی تو ہے جس نے تم کو اپنی مدد اور مومنوں (کی جمعیت) کے ذریعے تقویت بخشی اور ان کے دلوں میں الفت پیدا کر دی اور اگر تم دنیا بھر کی دولت خرچ کرتے تو تب بھی ان کے دلوں میں الفت پیدا نہ کر سکتے مگر اللہ نے ان کے دلوں میں الفت ڈال دی۔“

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل ایمان کے درمیان باہمی محبت اور ہمدردی کو ایمان کی شرط اور اللہ کے ہاں بڑے اجر و ثواب کا باعث قرار دیا ہے۔ چند احادیث ملاحظہ فرمائیے۔

○..... ”جس نے اللہ کے لئے محبت کی اور اللہ کے لئے ہی دشمنی کی“ اللہ کیلئے دیا اور اللہ ہی کے لئے روکا تو اس نے ایمان کی تکمیل کر ڈالی۔“ (ابوداؤد و ترمذی)

○..... ایک طویل حدیث میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ قیامت کے دن جبکہ اللہ کی رحمت کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہو گا سات قسم کے افراد اس کی رحمت کے سائے کے نیچے جگہ پائیں گے۔ انہی خوش نصیبوں میں وہ دو افراد بھی ہونگے جنہوں نے صرف اللہ کے لئے ایک دوسرے سے محبت کی اسی کی رضا کے لئے جمع ہوئے اور اسی کے لئے جدا ہوئے۔ (بخاری) اسی طرح آپؐ نے ایمان کی حلاوت کا مزہ چکھنے والے کے لئے جو تین شرائط بیان فرمائیں ان میں ایک شرط یہ بھی ہے۔

○..... ان يحب المرء لا يحبه الا لله (بخاری کتاب الایمان)

”کہ وہ آدمی کسی سے محبت کرے اور یہ محبت اللہ کے علاوہ کسی اور کے لئے نہ ہو“

ظاہر ہے اللہ کی رضا کے لئے یہ محبت صرف اللہ کے مومن بندوں ہی سے ہو سکتی ہے۔

باہمی تعاون و ہمدردی

اللہ کی کتاب اہل ایمان کو ان کی انفرادی اور اجتماعی ذمہ داریوں کے تعلق سے ایک دوسرے کے بھائی دوست اور مددگار کے طور پر پیش کرتی ہے۔ جس کی تائید نبی علیہ السلام کی احادیث سے ہوتی ہے تاکہ وہ ایمان قبول کرنے کے بعد نہ صرف انفرادی لحاظ سے روزِ مہِ زندگی کی ضروریات کو پورا کرنے اور خود کو اللہ کی بندگی پر استوار رکھنے بلکہ اجتماعی سطح پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی صورت میں اصلاح احوال کے اہم ترین فریضے سے عمدہ برآ ہونے کے سلسلے میں ایک دوسرے کا بھرپور اور مخلصانہ تعاون حاصل کر سکیں۔ چنانچہ فرمایا :

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَمُرُّونَ بِالْمَرْءِ يَتَّبِعُونَ عَنْ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ أُولَٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ (التوبہ : ۷۱)

”اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں، نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔ صلوٰۃ قائم کرتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کو مغفرت اللہ اپنی رحمت سے نوازے گا۔“

گویا ایمان کی وجہ سے خیر سے دلچسپی اور شر یا برائی سے نفرت ان کے درمیان ایک قدر مشترک ہے جس کے تحت وہ اللہ کی بندگی اور فرمانبرداری پر قائم ہیں اور اہم ترین دینی قرائض کی ادائیگی اور اس راہ میں آنے والی آزمائشوں کے دوران ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوْا وَآمَنُوا أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ (الأنفال : ۷۲)

”بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں مال و جان سے جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے (ہجرت کرنے والوں کو) جگہ دی اور ان کی مدد کی وہ سب آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔“

سورۃ انفال ہی میں ایسے لوگوں کے ایمان کی ان الفاظ میں تصدیق فرمائی گئی اور ان کو اللہ کی طرف سے مغفرت اور عزت والے رزق کی خوشخبری دی گئی ہے، فرمایا :

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوْا وَآمَنُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۚ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ (الأنفال : ۷۳)

حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں جہاں مومن و مسلم کی صفت بیان ہوئی ہے کہ اس کی زبان اور ہاتھ سے اس کے مسلمان بھائی محفوظ رہتے ہیں وہاں مہاجر کی تعریف ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے۔

وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللَّهُ عَنْهُ (بخاری۔ کتاب الایمان) کہ ”مہاجر وہ ہے جو ان چیزوں کو ترک کر دے جن سے اللہ نے منع فرمایا ہے۔“ یعنی ایمان کے تقاضے کے طور پر عام گناہ و معصیت کی باتوں سے اپنے آپ کو بچانے کے علاوہ اگر ضرورت پڑے تو گھریلو مال و اسباب یہاں تک کہ علاقے و وطن کو بھی چھوڑ دے۔ ظاہر ہے اللہ کی ذات سے اس غلوں اور عزم و ارادے سے وابستگی رکھنے والوں کو دنیا والے ٹھنڈے پیڑوں برداشت نہیں کیا کرتے۔ اس راہ میں قدم قدم پر آزمائشوں سے سابقہ پیش آتا ہے۔ ایسی صورت حال سے دوچار ایمان کے رشتے میں منسلک افراد جو آپس میں تعاون کرتے اور ایک دوسرے کے دکھ سکھ بانٹتے ہیں اور اللہ کی طرف سے عائد شدہ ذمہ داریوں سے عمدہ برآمد ہونے کے لئے باہم مل کر جدوجہد کرتے ہیں، اللہ کے ہاں ان کے اجر کا کیا کتنا! اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل ایمان کے درمیان اسی تعلق خاطر اور ان کے ایک دوسرے کے لئے باعث تقویت ہونے کو اس طرح بیان فرمایا ہے :

○..... "مومن آپس میں ایک دوسرے کے لئے ایک دیوار کی اینٹوں کی طرح ہوتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک دوسری سے تقویت پاتی ہے" پھر آپؐ نے (سمجھانے کے لئے) اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال دیں۔" (بخاری و مسلم)

اللہ تعالیٰ اپنی راہ میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح صف باندھ کر لڑنے والوں کے لئے اپنی پسندیدگی کا اظہار فرماتا ہے :
 اِنَّ اللہَ یُحِبُّ الذِّیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ کَانَہُمْ بَنَانًا مَّرصُومًا۔ (الصفت : ۴)

○..... "مومنوں (کے درمیان تعلقات) کی مثال ایک شخص واحد کی سی ہے کہ اگر اس کی آنکھ میں کوئی تکلیف ہوتی ہے تو اس کا پورا جسم اس تکلیف کو محسوس کرتا ہے اور اگر اس کے سر میں تکلیف ہو تو اس کا پورا وجود تکلیف کا شکار ہوتا ہے۔" (مسلم)

○..... "مسلمان پر مسلمان کے چھ حقوق ہیں۔ جب اس سے ملو تو اسے سلام کرو، جب وہ تم کو دعوت دے تو اس کو قبول کرو، جب اسے چھینک آئے اور وہ اللہ کی حمد کرے (یعنی الحمد للہ کہے) تو اسے سلامتی اور رحمت کی دعا دو (یعنی یرحمک اللہ کہو) جب وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کرو اور جب اس کی موت واقع ہو تو اس کے جنازے میں شرکت کرو۔"

گویا یہ ایک آئینہ ہے جس میں باہمی تعاون و ہمدردی اور حقوق کی ادائیگی کے سلسلے میں عملی صورت حال کی تصویر دیکھی جاسکتی ہے۔

خیر خواہی

اللہ کے دین میں صحیح یا خیر خواہی کی کیا اہمیت ہے؟ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن میں اسے بھی انبیاء علیہم السلام کی دعوتی جدوجہد کا ایک عنوان قرار دیا ہے۔ یعنی جب وہ رسالت کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لئے لوگوں کو اللہ کی بندگی کی طرف بلا رہے ہیں تو اپنی کسی غرض کے بجائے خالصتاً ان کی بھلائی اور خیر خواہی کے حوالے سے دعوت پیش کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر نوح علیہ السلام اپنی قوم سے اس طرح مخاطب ہوتے ہیں :

قَالَ یٰقَوْمِ لِمَ تَسُبُّوْنَیْ وَتَسُبُّوْنَ رُسُلَیْ ۚ اَنْتُمْ اَعْمٰی ۚ اَنْتُمْ تَقُولُوْنَ حَسْبُنَا اللّٰہُ وَہُوَ یُعَذِّبُ الْمُجْرِمِ ۚ اَمْ اَنْتُمْ لَیْسَ بِیْ ضَلٰکَ وَلٰکِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ اٰتٰکُمْ رَسٰلٰتِیْ وَانٰصَحَ لَکُمْ وَاعْلَمْتُمْ مِّنْ اللّٰہِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔ (الاعراف : ۶۱-۶۲)

"انہوں نے کہا اے میری قوم! میں کسی طرح کی گمراہی کا شکار نہیں ہوں بلکہ میں تمہیں پروردگار عالم کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں اور مجھ کو اللہ کی طرف سے ایسی باتیں معلوم ہوتی ہیں جن کا تمہیں علم نہیں۔"

صود علیہ السلام اپنی قوم کے سامنے اسی صحیح و خیر خواہی کے حوالے سے دعوت حق پیش کرتے ہیں :
 اٰتٰکُمْ رَسٰلٰتِیْ وَانٰصَحَ لَکُمْ۔ (الاعراف : ۶۸)

”میں تم تک اپنے رب کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہارا قاتل اعتماد خیر خواہ ہوں۔“

اسی طرح سورۃ الشعراء میں نوح علیہ السلام اپنی قوم سے خطاب کرتے ہیں :

وما اسئلكم عليه من اجر ؕ ان اجرى الا على رب العالمين۔ (آیت ۲۸)

”اور میں تم سے اس (دعوت کے) کام پر کوئی صلہ یا معاوضہ نہیں مانگتا۔ میرا صلہ تو پروردگار عالم ہی کے پاس ہے۔“

جب عام انسانیت کے حوالے سے انبیاء علیہم السلام کی دعوت میں خیر خواہی کا یہ انداز ہے تو پھر اہل ایمان کے درمیان باہمی خیر خواہی کے مطلوبہ معیار کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

حدیث میں خیر خواہی کے لئے جو لفظ استعمال ہوا ہے وہ قرآن کے مطابق یعنی ”النصيحة“ ہے۔ دین میں اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ سے دین کی جن اہم ترین باتوں پر بیعت لیتے تھے ان میں مسلمان بھائی کے لئے خیر خواہی بھی شامل ہوتی تھی۔ چنانچہ جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں :

باعت رسول الله على اقام الصلوة وابتاء الزكوة والنصح لكل مسلم۔ (متفق علیہ)

”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی صلوة قائم کرنے پر زکوٰۃ ادا کرنے پر اور ہر مسلمان کے لئے نصح و خیر خواہی کرنے پر۔“
کہیں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

العن النصيحة قلنا لمن قال لله ولكتابه ولرسوله والا نعمة المسلمين وعامتهم (مسلم : کتاب الایمان)

کہ ”دینِ ظلو میں اور خیر خواہی کا نام ہے۔ ہم (صحابہؓ) نے پوچھا کس کے لئے؟ آپؐ نے فرمایا اللہ کے لئے“

اس کی کتاب اور اس کے رسول کے لئے“ مسلمانوں کے امراء اور تمام مسلمانوں کے لئے۔“

گویا اہل ایمان کے درمیان نصح یا خیر خواہی سے مراد یہ ہے کہ ایک مومن بالکل خالص اور بے آمیز طریقے پر اپنے دوسرے بھائی کی بھلائی اور بہتری کا خواہش مند ہو۔ جس طرح اپنی ذات کے تعلق سے اس کی یہ خواہش اور تمنا ہوتی ہے کہ وہ دنیا اور آخرت میں کامیاب و بامراد ہو“ اسی طرح ہر مسلمان بھائی کے لئے بھی اس کا یہی جذبہ اور تمنا ہو۔ ”عسل ناصح“ اس شہد کو کہتے ہیں جو بالکل خالص اور ہر طرح کی آمیزش سے پاک ہو۔ چنانچہ ایمان والوں کے درمیان باہمی نصح و خیر خواہی کے اندر بھی یہی روح کارفرما ہونی چاہئے کہ جس طرح ان کا ایمان ہر طرح کے شرک سے پاک ہوتا ہے“ ان کے درمیان خیر خواہی کا جذبہ بھی سراسر اخلاص پر مبنی ہو۔ اس کی اہمیت درج ذیل حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے واضح ہوتی ہے“ فرمایا :

لا يؤمن احدكم حتى يحب لاخيه ما يحب لنفسه (متفق علیہ)

”تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک صحیح معنوں میں مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے بھی وہی کچھ پسند نہ کرے

جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔“

ایثار و قربانی

جب ایک مومن و مسلم اپنے بھائی کی ذات کو اپنے اوپر“ اس کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر ترجیح دیتا ہے۔ خود

تکلیف اٹھا کر اس کو آرام پہنچانے کی کوشش کرتا ہے اور خود بھوکا رہ کر اس کو کھلانے کی فکر کرتا ہے تو یہ اس کا اپنے بھائی کے لئے ایثار ہے۔

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ہجرت مدینہ کے بعد انصار و مہاجرین کے درمیان مواخات کرائی تو جس طرح انصار نے اپنے مہاجر بھائیوں کی ضروریات کا خیال رکھا، ان کو اپنے درمیان جگہ دی، گھر کے سامان اور اپنے مال میں سے ان کو برابر کا حصہ دینے کا اعلان کیا، یہاں تک کہ جس کے نکاح میں دو بیویاں تھیں اس نے ان میں سے ایک کو اپنے بھائی کی پسند کے مطابق طلاق دے کر اس کے نکاح میں دینے کی پیش کش کی، تاریخ انسانیت اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ غرض جنگ ہو یا امن، تنگی کا دور ہو یا فراخی، صحابہ کرام کی زندگیاں باہمی ایثار کے ان واقعات سے بھری پڑی ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ایثار و قربانی کے جذبات کو اس طرح سراہا اور اس کی قدر دانی فرمائی ہے:

وَيُؤْتُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ

”اور وہ اپنے نفس پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں۔ چاہے خود تنگی ہی میں کیوں نہ ہوں۔“ (الحشر: ۹)

اس سلسلے میں ایک واقعہ حدیث میں بیان کیا جاتا ہے کہ نبی علیہ السلام کے پاس ایک بھوکا شخص آیا آپؐ نے اپنی ازواج کے پاس سے کچھ کھانے کو منگوایا مگر معلوم ہوا کہ گھر میں کچھ بھی نہیں۔ پھر آپؐ نے وہاں پر موجود لوگوں سے کہا کہ کوئی ایسا آدمی ہے جو رات اس کی مہمان نوازی کر کے اللہ کی رحمت کا مستحق بنے۔ اس پر ابو طلحہ انصاریؓ نے آمادگی کا اظہار کیا اور اس شخص کو اپنے گھر لے گئے۔ گھر جا کر بیوی سے معلوم ہوا کہ گھر میں صرف بچوں کی ضرورت کے لئے کھانا ہے۔ چنانچہ انہوں نے بیوی سے کہا کہ بچوں کو ہسلا پھسلا کر سلا دو اور چراغ بجھا دو۔ ہم دونوں بھی کھانا نہیں کھائیں گے۔ چنانچہ ان کی بیوی ام سلیمہؓ نے ایسا ہی کیا۔ اگلے روز جب ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تم دونوں کے اس حسن سلوک سے بہت خوش ہوا ہے (بخاری)۔ یہ تنگ دستی میں ایثار کا واقعہ ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ انسان اپنے لئے کم ترجیح پر راضی ہو جائے اور اپنے بھائی کو بہتر چیز دے دے۔ جس کے نتیجے میں باہمی طور پر مخلصانہ تعلقات وجود میں آتے ہیں جو اللہ کی رضا و خوشنودی کے حصول کا باعث بنتے ہیں۔

عفو و درگزر

عفو سے مراد معاف کر دینا ہے۔ لیکن غصہ کو ضبط کرنا، صبر و تحمل اور بردباری بھی اسی کے ذیل میں آتے ہیں باہمی تعلقات اور معاملات میں انسانوں سے اکثر ایسی باتیں سرزد ہوتی ہیں جو دوسروں کے لئے ناگواری اور تکلیف کا باعث بنتی ہیں ایسے موقعوں پر انسان کو غصہ آتا ہے اور جب وہ غصے کی کیفیت سے دوچار ہوتا ہے تو اس کے اندر مخالفانہ اور انتقامی جذبات پرورش پاتے ہیں، بسا اوقات اسے قانونی طور پر بدلہ لینے کا حق بھی حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ عفو و درگزر کا تقاضا یہ ہے کہ ایسے مواقع پر انسان اپنے غصے کو پی جائے اور انتقام کا حق اور اس کی قدرت رکھنے کے باوجود انتقام لینے سے گریز کرے۔ اللہ کا دین اپنے ماننے والوں سے بالخصوص اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ اپنے اندر غصہ پر قابو پانے کی صلاحیت پیدا کریں

اور باہمی تعلقات میں ایک دوسرے کی زیادتیوں کا بدلہ لینے کے بجائے غفور و درگزر سے کام لیں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے بندوں کا یہ طرز عمل بہت پسندیدہ ہے۔ فرمایا :

النَّفْسُ يَنْفَتُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَافِرِينَ الْفَيْضَ وَالْعَالِينَ عَنِ النَّاسِ * وَاللَّهُ يَعْزِبُ الْمُحْسِنِينَ
○ (آل عمران: ۳۳)

”جو آسودگی اور تنگی میں (اپنا مال اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں اور غصہ کو پی جاتے والے اور لوگوں سے درگزر سے کام لینے والے ہیں۔ اور اللہ ایسے احسان کی روش اختیار کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔“
اللہ کا مومن بندہ تو بیک وقت خیر کا داعی بھی ہوتا ہے۔ اس لئے اسے جب کسی جاہلانہ مخالفت سے سابقہ پیش آتا ہے تو وہ اینٹ کا جواب پتھر سے دینے یا جواب اسی طرز کی جاہلانہ بحث و تکرار میں الجھنے کے بجائے سلامتی و وقار کے ساتھ رخصت ہو جاتا ہے جیسا کہ فرمایا گیا :

وَإِنَّا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا ○ (القرآن)

ایک دوسرے مقام پر اہل ایمان کی یہ نمایاں صفت اس طرح بیان کی گئی ہے :

وَالَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كِبَارَ الْأَثَمِ وَالْفَوَاحِشِ وَإِنَّا مَاعْظِبُوهُمْ يَغْفِرُونَ ○ (الشوری : ۳۷)

”اور وہ لوگ جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے پرہیز کرتے ہیں اور جب انہیں غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں۔“
سورۃ الاعراف میں نبی علیہ السلام کو خطاب کر کے کہا جا رہا ہے :

خُفَّاءُ الْعُلُوِّ وَأَمْرٌ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ (آیت ۱۰۹)

”غور و درگزر اختیار کرو اور تنگی کا حکم دو اور نادانوں سے اعراض کرو۔“ کہیں کہا گیا :

لَا تَعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ○ (آل عمران: ۱۵۹)

”ان کو معاف کرو اور ان کے لئے (اللہ سے) مغفرت طلب کرو اور اپنے کاموں میں ان سے مشورہ کرو۔“

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اہل ایمان کو باہمی تعلقات اور معاملات میں ایک دوسرے کے ساتھ غفور و درگزر سے کام لینے کی تعلیم فرمائی اور جہاں تک غیظ و غضب اور سختی کا تعلق ہے، اس سلسلے میں آپ کا اسوہ بھی رہنمائی فرماتا ہے کہ اس کا اظہار انسان کی ذاتی زندگی کے معاملات میں نہیں بلکہ دین اور حدود اللہ کی پاسداری میں ہونا چاہئے۔ احادیث رسول ﷺ ملاحظہ فرمائیے :

○..... لَيْسَ الشَّدِيدُ بِالصُّرْعَةِ إِنَّمَا الشَّدِيدُ الَّذِي يَمْلِكُ نَفْسَهُ عَنِ الْغَضَبِ (متفق علیہ)

”بہادر وہ نہیں جو کشتی میں دوسروں کو بچھاڑ دے۔ دراصل بہادر وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے اوپر قابو پالے۔“

○..... عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے لئے کسی معاملے

میں کبھی انتقام نہیں لیا۔ البتہ اگر اللہ تعالیٰ کی نصرت کی ہوئی حرمتیں پامال کی جارہی ہوں تو اللہ کے لئے ان کا

انتقام ضرور لیتے تھے۔“ (بخاری و مسلم)

○..... عائشہؓ ہی سے مروی ہے کہ جب قبیلہ نبی مخزوم کی ایک عورت سے چوری کا واقعہ سرزد ہوا تو قریش کے لوگوں کو اس سے بڑی پریشانی ہوئی۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب اسامہ بن زیدؓ کو آپؐ کے پاس سفارش کے لئے بھیجا کہ اس عورت کو معاف کر دیا جائے۔ اس پر نبی علیہ السلام نے سخت ناگواری کا اظہار فرمایا اور لوگوں کے سامنے یہ خطبہ دیا!

انما اهلك النین من قبلکم انہم کانوا اذا سرق لہم الشریف ترکوا و اذا سرق لہم الضعیف اقاموا علیہ الحد و ایم اللہ! لو ان فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت بالہا (متفق علیہ)

”تم سے پہلے لوگوں کو جس چیز نے ہلاک کیا وہ یہی تھی کہ اگر ان میں سے کوئی صاحب حیثیت آدمی چوری کا ارتکاب کرتا تو وہ اسے چھوڑ دیتے اور اگر کسی کمزور آدمی سے یہی جرم سرزد ہوتا تو اس کے اوپر حد نافذ کرتے۔ پھر فرمایا : اللہ کی قسم اگر فاطمہ بنت محمدؐ بھی چوری کرتے تو بھی اس کا ہاتھ کاٹ دوں۔“

اسی طرح اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہؓ کے گھر میں ایک ایسا پردہ لٹکا ہوا دیکھا جس پر سورتیں بنی ہوئی تھیں تو آپؐ نے غصے سے وہ پردہ لیکر پھاڑ دیا اور فرمایا :

اشد الناس عذابا یوم القیامة النین بصورون هذه الصور (بخاری)

کہ ”سب سے زیادہ عذاب قیامت کے دن ان لوگوں کو ہو گا جو یہ سورتیں بناتے ہیں چنانچہ ضرورت اس امر کی ہے کہ نبی علیہ السلام کے اس اسوہ کی جھلک آپؐ کے امتیوں کے اندر بھی نظر آئے، انہیں ذاتی معاملات کے تعلق سے باہمی طور پر غفور و گذر کا دیکر ہونا چاہئے جبکہ ان کے غصے اور سختی کا اظہار دین کی نسبت سے ہو۔

تواضع و مرحمت :-

عقائد و عبادات کے بعد دین میں سب سے زیادہ اہمیت اخلاق کی درجہ رکھتی ہے اور پھر اس بات کو حاصل ہے کہ ایک مومن و مسلم اللہ کے بندوں کے ساتھ محبت و ہمدردی سے پیش آئے اور ان کے ساتھ نرمی اور حسن سلوک کا رویہ اختیار کرے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

بشت لا تتم حسن الاخلاق (موطا)

کہ ”مجھے حسن اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث کیا گیا ہے۔“

اللہ کی کتاب کو اسی دیتی ہے کہ اللہ کے نبی علیہ السلام جو اعلیٰ اخلاق کے پیکر تھے، اہل ایمان کے ساتھ شفقت و مہربانی میں بھی سب سے بڑھ کر تھے، فرمایا :

لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حسن علیکم بالمؤمنین و وہ وف رحیم ○ (التوبہ ۱۲۸)

”تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول آیا ہے تمہارا نقصان میں پڑنا اس پر گراں گزرتا ہے، تمہاری

بھلائی کا وہ بہت خواہشمند اور مومنوں کے لئے نہایت شفیق اور مہربان ہے۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شفقت اور مہربانی صرف اہل ایمان ہی تک محدود نہ تھی بلکہ اس کا دائرہ دوسروں تک وسیع تھا۔ چنانچہ قرآن میں آپؐ کو دنیا جہاں والوں کے لئے رحمت قرار دیا گیا ہے (الانبیاء : ۱۰۷)

قرآن اہل ایمان کو بھی اسی وصف سے آراستہ دیکھنا چاہتا ہے۔ چنانچہ سورۃ المائدہ میں اہل ایمان سے خطاب کر کے فرمایا گیا کہ اگر تم میں سے کوئی دین سے پھر جائے تو اللہ کو اس کی پروا نہیں وہ اپنے دین کی خدمت کے لئے تمہاری جگہ ایسے لوگوں کو لائے گا جن سے وہ محبت کرتا ہو اور وہ اس سے محبت کرتے ہوں اور ان کی خصوصیت یہ بیان فرمائی :-

اَفَلَا عَلَى الْمُؤْمِنِينَ اِغْوَاةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ ۚ بَلَا هُمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ (آیت نمبر ۵۳)

"جو مومنین کے حق میں نرم اور کافروں پر سخت ہیں۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہیں کرتے۔"

اسی طرح سورۃ اللہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھیوں کی یہی صفت بیان فرمائی گئی ہے کہ وہ کافروں کے معاملے میں پتھر کی چٹان کی طرح سخت لیکن آپس میں انتہائی نرم اور رحمدل ہیں۔ ایک دوسرے کے ساتھ محبت و نرمی سے پیش آنے والے ہیں :-

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ اَشْهَادٌ عَلَى الْكَافِرِ رَحْمَةً مِنْهُمْ (الفتح : ۲۹)

قرآن نبی علیہ السلام کے بلند اخلاق کی شہادت پیش کرتا ہے : **وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ (القلم : ۴)**
چنانچہ آپؐ کی شخصیت تواضع و انکساری اور شفقت و مہربان کا ایک بہترین نمونہ تھی جس کو آپؐ پر اللہ کا خصوصی العام قرار دیا گیا ہے :

لِبِشْرَةِ اللّٰهِ لَتَلَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ لَفُظًا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران : ۱۵۹)

(اے محمدؐ) اللہ کی مہربانی سے تمہاری افتاد طبع ان لوگوں کے لئے نرم واقع ہوئی ہے۔ اگر تم تند خو اور سخت دل ہوتے تو یہ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے۔

اور کیوں نہ ہوتے جبکہ خود اللہ نے آپؐ کو تعلیم فرمائی تھی :

وَاحْفَظْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ (الشعراء : ۲۱۵)

(اے نبیؐ) اپنے بازو بچھائے رکھو اہل ایمان کے لئے جو آپؐ کی پیروی کرنے والے ہیں "یعنی ان کے ساتھ تواضع سے پیش آئیے۔"

یہی وجہ ہے کہ آپؐ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ تعلیم فرمائی!

○..... "اللہ کی نافرمانی سے بچو تم جہاں کہیں بھی ہو۔ اور اگر کوئی برائی کرے تو اس کے پیچھے بھلائی کو تاکو

اس کی برائی کا اثر زائل ہو جائے اور لوگوں کے ساتھ بہترین اخلاق کا نمونہ پیش کرو۔" (ترمذی)

چاہیے : کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ۔

○..... لیس منامن لم یرحم صغیرنا ولم تولد کبیرنا ویامر بالمعروف ویمنہ عن المنکر (ترمذی)

وہ شخص ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں سے شفقت نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی عزت نہ کرے اور

بھلائی کا حکم نہ دے اور برائی سے منع نہ کرے۔" آپ نے یہ بھی فرمایا:

○..... لا یرحم اللہ من لا یرحم (متفق علیہ)

"جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا اللہ اس پر رحم نہیں کرتا۔"

قرآن و حدیث کی مذکورہ بالا تعلیمات اہل ایمان کے لئے ایک راہ عمل ہیں۔ ان میں جہاں عام مسلمانوں کو ان کے درمیان ایمانی رشتے کے لحاظ سے آپس میں محبت و اخوت، ہمدردی و خیر خواہی، غفور و گذر اور نرمی و رحمت کی تعلیم فرمائی گئی ہے وہاں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت اور ان کے اسوہ کے حوالے سے، دین کی بنیاد پر قائم ہونے والی اجتماعیت کے امراء اور ناظمین کے لئے خصوصیت کے ساتھ یہ ہدایت پائی جاتی ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ زیادہ سے زیادہ حسن اخلاق، تواضع، نرمی اور محبت کے ساتھ پیش آئیں۔ ان کے نقصانات، دکھ اور پریشانیاں ان پر گراں گزریں اور ان کی بھلائی اور بہتری کے وہ دل و جان سے خواہشمند ہوں۔ دونوں کے اپنے حقوق اور ذمہ داریاں ہیں جہاں امراء و ناظمین کا یہ حق ہے کہ ایماندار ساتھی سمع و طاعت کی بنیاد پر ان کے ساتھ بھرپور تعاون کریں اور ان سے احرام سے پیش آئیں وہاں ان ایماندار ساتھیوں کا بھی یہ حق ہے کہ متعلقہ امراء و ناظمین ان کے ساتھ غفور و گذر اور شفقت و نرمی سے پیش آئیں اور ان کی خیر خواہی اور بہتری و بھلائی کے متقاضی ہوں۔ ہمارے سامنے بہر حال نبی علیہ السلام کی یہ حدیث رہنی

احساب و نصیحت

"اللعن النصیحتہ" نبی علیہ السلام کے اس فرمان کے مطابق دین سراسر نصیحت و خیر خواہی ہے۔ انسانیت کی سب سے بڑی خیر خواہی یہ ہے کہ اس کو اللہ کی بندگی کی طرف دعوت دی جائے اور اس طرح خود اللہ کی فرمانبرداری اختیار کرتے ہوئے دوسروں کو بھی اس کے لئے ترغیب دی جائے۔ اس لئے ایک مسلمان کے جذبہ خیر خواہی کا یہ تقاضا ہے کہ وہ نیک نیتی اور فکر مندی سے اپنے بھائی کے معمولات و دلچسپیوں پر بھی نظر رکھے اور جہاں کہیں غفلت یا کمی و کوتاہی دیکھے تو پورے اخلاص کے ساتھ اسے توجہ دلائے اور اصلاح کی کوشش کرے۔ یہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق ہے۔ چنانچہ نبی علیہ السلام نے فرمایا :

○..... ان احدکم مرآۃ اخيه فان رآی بہ اذی للیست (ترمذی)

تم میں سے ہر ایک اپنے بھائی کا آئینہ ہے اگر وہ اپنے بھائی میں کوئی برائی دیکھے تو اسے دور کر دے۔"

○..... المؤمن مرآۃ المؤمن و المؤمن اخو المؤمن یكف ضیعتہ و یحوظ من ورائہ (ابوداؤد)

مومن مومن کا آئینہ اور ایک مومن دوسرے کا مومن بھائی ہے۔ اسے ایسی چیز دور کرتا ہے جس میں اس کی ہلاکت ہے اور اس کے پیچھے حفاظت کرتا ہے۔ یعنی اس کی عدم موجودگی میں بھی اس کے حق کو محفوظ رکھتا ہے۔

○.....النصر اخاك ظالماً او مظلوماً..... (تعلق علیہ)

”اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم پوچھا گیا اگر وہ ظالم ہے تو پھر اس کی کیسے مدد کی جائے“ فرمایا اس کو ظلم سے روک دو۔ یہ اس کی مدد ہے۔“

مذکورہ بالا حدیث سے جہاں یہ بات واضح ہوئی کہ ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کی خیر خواہی کا یہ تقاضا ہے کہ وہ اس کی کمزوریوں اور کوتاہیوں کی اصلاح کرے، وہاں یہ اصول بھی متعین ہو گیا کہ ایمان دار ساتھیوں کی کمزوریوں کے بارے میں کوئی تجسس، غلط بیانی یا اپنی طرف سے اضافہ نہیں ہونا چاہیے بلکہ یہ نشاندہی پورے خلوص، محبت اور دردمندی کے ساتھ بے کم و کاست ہونی چاہیے۔ اس لئے کہ آئینہ نہ کبھی تجسس کرتا ہے اور نہ کسی قسم کی مبالغہ آرائی، بلکہ جو کوئی جس طرح اس کے سامنے آتا ہے اسقدر اس کے خدوخال کو ظاہر کرتا ہے۔ لہذا اس زندہ ”مرآۃ المؤمنین“ سے جو ”اخوة المؤمنین“ بھی ہے، ایک بے جان آئینے کے مقابلے میں زیادہ اچھے کردار کی توقع کی جانی چاہیے، جس کے ایمان کا یہ تقاضا ہے کہ وہ اپنے بھائی کیلئے بھی وہی پسند کرے جو اپنے لئے کرتا ہے بلکہ اس کو اپنے اوپر ترجیح دے۔

رابطہ و ملاقات

باہمی رابطہ اور ملاقاتیں آپس کے تعلقات کو پروان چڑھانے میں سب سے زیادہ موثر ہیں۔ اس طرح ایک دوسرے کے حالات و مسائل سے آگاہی ہوتی ہے اور یوں ایک دوسرے کے دکھ درد بانٹنے اور ذاتی مسائل میں دلچسپی لے کر ان کے حل کے سلسلے میں باہمی تعاون کے مواقع پیدا ہوتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جب یہ سلسلہ ایمان کے رشتے میں فسک افراد کے درمیان ہو گا جو اللہ کیلئے آپس میں جڑے ہیں، جن کے درمیان یہ تعلق، اخلاص اور محبت اللہ کے دین کی وجہ سے ہے تو پھر اس کی برکات اور برگ و بار کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے باہمی تعلقات اور محبت میں اس کو بڑی اہمیت دی ہے۔ احادیث ملاحظہ ہوں :

○.....تکلیوں میں کسی نیکی کو حقیر نہ جانو اگرچہ وہ اتنی ہی ہو کہ تم اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملو“ (مسلم کتاب البر والاعمال والادب)

○.....ایک شخص اپنے بھائی سے ملاقات کو کسی دوسرے گاؤں کی طرف چلا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے راستے پر ایک فرشتہ بٹھا دیا۔ جب وہ فرشتے کے پاس پہنچا تو فرشتہ نے اس سے پوچھا کہ ”کہاں کا ارادہ ہے؟“ اس نے جواب دیا ”کہ اس گاؤں میں اپنے بھائی سے ملنے جاتا ہوں“ فرشتے نے پوچھا ”کیا اس پر حقیرا کوئی حق نعمت ہے جس کو حاصل کرنے جا رہے ہو؟“ وہ بولا ”نہیں اس کے علاوہ کوئی وجہ نہیں کہ میں اس سے صرف اللہ کیلئے محبت کرتا ہوں“ فرشتے نے کہا مجھے اللہ نے تیری طرف یہ بشارت دے کر بھیجا ہے کہ وہ تجھ سے ایسی ہی محبت کرتا ہے جیسی کہ تو اس کی خاطر اپنے دوست سے کرتا ہے“ (مسلم۔ ایضاً)

باہمی رابطہ اور ملاقاتیں، جب کہ وہ اللہ کے دین کے تعلق سے اور اخلاص کے ساتھ ہوں، اہل ایمان کے درمیان محبت اور تعاون میں اضافے کا باعث بنتی ہیں۔ ایسے موقعوں پر ایک دوسرے کو حسبِ توفیق تحفے تحائف دیئے جائیں جو اس سلسلے میں اور زیادہ اثر پذیر اور باعثِ اجر و ثواب ہیں، جیسا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (تہادوا تعالیوا و تنصب الشحناؤکم) کہ ”ایک

دوسرے کو ہدیہ بھیجا کرو تو آپس میں محبت پیدا ہوگی اور دلوں سے دشمنی اور بُد جاتا رہے گا" (مشکوٰۃ)

درج بالا عنوانات کے تحت قرآن و حدیث کی تعلیمات کی روشنی میں اہل ایمان کے درمیان باہمی تعلقات کی نوعیت اور بعض اوصاف بیان کئے گئے ہیں جو ان تعلقات کو خوشگوار بنانے اور مطلوبہ معیار پر استوار رکھنے میں موثر کردار ادا کرتے ہیں۔ لیکن ان کے برعکس کچھ ایسے اوصاف بھی ہیں جو ان کی ضد اور باہمی محبت و خیر خواہی اور ہمدردی و بھائی چارے کی نفی کرنے والے ہوتے ہیں۔ انسان جب تک ان سے اپنے سیرت و کردار کو پاک نہ کرے وہ اپنے اندر بھلائی اور خیر کے جذبہ کو پروان چڑھانے اور اس کا حق ادا کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ بدخواہی کی نمائندہ ان برائیوں کا مقصد دوسروں کو اذیت اور نقصان پہنچانا اور انہیں مصائب میں گرفتار کرنا ہے۔ مثال کے طور پر تمسخر، استہزاء، بدگمانی اور سوء ظن، تجسس اور عیب جوئی، الزام تراشی اور غیبت وغیرہ۔ اللہ کا دین اپنے ماننے والوں کو ان ناپسندیدہ اوصاف سے پاک و صاف دیکھنا چاہتا ہے۔

چنانچہ قرآن و حدیث میں ان رذائل اخلاق کی نشاندہی کر کے اہل ایمان کو ان سے اجتناب کی تعلیم دی گئی ہے۔ سورۃ الحجرات میں اہل ایمان کو خطاب کر کے حکم دیا جا رہا ہے :

(۱) ایمان میں داخل ہونے کے بعد نہ مردوں کے لئے زیبا ہے کہ وہ دوسرے مردوں کو حقیر سمجھ کر ان کا مذاق اڑائیں اور نہ عورتوں کے لئے جائز ہے کہ وہ دوسری عورتوں کو تمسخر کا نشانہ بنائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شرافت و رذالت کا دار و مدار ہر ایک کے ایمان و عمل پر ہے۔ جن کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کی میزان عدل سے ہی ہو سکے گا۔ ہو سکتا ہے کہ دنیا میں اپنے آپ کو بڑا سمجھنے والوں کو قیامت کے دن پتہ چلے کہ اللہ کی میزان میں ان کا وزن پر کاہ کے برابر بھی نہیں۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ کسی انسان کے بُرا ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ اپنے مسلم بھائی کو حقیر سمجھے۔

(۲) نہ آپس میں ایک دوسرے کو عیب لگائیں اور نہ بُرے القاب سے یاد کریں۔ قرآن و حدیث سارے مسلمانوں کو ایک دینی اخوت کا فرد قرار دیتے ہیں۔ ان کی رو سے ایک کی عیب چینی سب کی عیب چینی اور بے توقیری ہے۔ اچھے القاب سے یاد کرنا جس طرح کسی فرد یا قوم کے لئے باعث عزت افزائی ہے اسی طرح بُرے القاب کسی پر چسپاں کرنا اس کی توہین و تذلیل ہے۔ بُرے القاب لوگوں کی زبانوں پر آسانی سے چڑھ جاتے ہیں لیکن ان کا اثر دوردس اور پانچ سو سال رہتا ہے۔ اور ان کی پیدا کردہ تلخیاں پشت در پشت باقی رہتی ہیں۔ ایمان لانے کے بعد فسق کا ارتکاب کو درکنار ایمان والوں کو لفظ فسق سے بھی نفرت و بیزاری ہونا چاہیے۔

(۳) ایمان لانے والے بہت زیادہ گمان کرنے سے اجتناب کریں کہ بعض ظن گناہ ہوتے ہیں نہ کسی کے عیب کی ٹوہ لگائیں اور نہ آپس میں ایک دوسرے کی غیبت کریں یہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے مترادف ہے۔ ایمان داروں کے درمیان نیک گمانی ان کی ایمانی اخوت کا لازمی تقاضا ہے۔ تاکہ ان کے خمیر اور شعور ایک دوسرے کی طرف سے صاف اور مظہر رہیں۔ بدگمانی سے آپس میں شکوک و شبہات اور سازشیں پھیلتی ہیں۔ اسی لئے اسکو گناہ کہا گیا ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا گیا ان الظن لا یغنی من الحق شئاً یعنی "وہم و گمان یقین کا بدل نہیں" (النجم ۲۸) اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بدگمانی سے بچنے کا حکم دیا کیونکہ یہ سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے (بخاری و مسلم) تجسس یعنی اس بات کی تلاش کہ دوسرے کی پرائیویٹ زندگی سے متعلق کوئی بات ملے جس سے اس کی خامیوں سے آگاہی ہو۔ یہ چیز بھی تو حسد کے جذبے سے پیدا ہوتی ہے کہ حریف کی زندگی کا کوئی ایسا پہلو سامنے آئے جس سے کلیجہ ٹھنڈا ہو جائے اور 'بھی بغض و عناد کی شدت اس کا باعث ہوتی ہے کہ کوئی ایسی بات ہاتھ لگے جس کو بوقت

ضرورت تشریح کر کے مخالف کو رسوا کیا جاسکے۔ نبی علیہ السلام نے مسلمانوں کو ایذا پہنچانے اور ان کے محبوب تلاش کرنے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ جو اپنے مسلمان بھائی کے محبوب تلاش کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے عیب و صوفے کا اور جس کے عیب اللہ و صوفے نے لگے اس کو رسوا کر کے ہی چھوڑتا ہے چاہے وہ اپنے گھر کے اندر گھس کر کیوں نہ بیٹھ رہے۔ (ترمذی) غیبت کو اس قدر محبوب اور قابل نفرت برائی کہا گیا ہے کہ جیسے اپنے مرید بھائی کا گوشت کھانا۔ نبی علیہ السلام نے اس کی تعریف یوں بیان کی غیبت یہ ہے کہ تو اپنے بھائی کا ذکر اس انداز سے کرے کہ اگر وہ موجود ہو تو اسے ٹاپند کرے، پوچھا گیا کہ اگر میرے بھائی میں وہ بات موجود ہو کیا یہ بھی غیبت ہے فرمایا اگر اس میں تیری بیان کردہ برائی موجود ہے تو یہ غیبت ہے اور اگر وہ برائی اس میں نہ ہو تو یہ بہتان ہے۔ (مسلم) عائشہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صفیہ کے بارے میں کہا کہ وہ یوں اور یوں ہے (یعنی کوتاہ قد ہے) تو آپؐ نے فرمایا کہ تو نے ایسی کڑوی بات کہی ہے کہ اس سے سمندر کا پانی بھی کڑوا ہو سکتا ہے (ابوداؤد)۔ آپؐ نے فرمایا کوئی مسلمان دوسرے مسلمان پر فتنہ اور کفر کی تحت نہ لگائے اگر وہ شخص ایسا نہیں ہے تو وہ اس پر لوٹ آتی ہے (بخاری)

اس طرح اہل ایمان کو ان برائیوں سے اجتناب کا حکم دیا گیا ہے جو ان کے دلوں سے ایک دوسرے کے لئے خیر خواہی اور ہمدردی کے جذبات کو ختم کر کے ان میں حسد، کینہ اور بغض و عناد پیدا کرنے والی ہیں۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا :

اَلَاكُمْ وَاطْنِ لَانِ الْفَنَ اَكْتَبَ الْعَلِيْثَ وَلَا تَحْسَبُوْا وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا تَنَالِسُوْا وَلَا تَعْلَسُوْا وَلَا تَبَاشِرُوْا وَلَا تَنَابَرُوْا وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اَخَوَانًا (بخاری و مسلم)

”تم بدگمانی سے بچو۔ کیونکہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے۔ اور نہ کان لگاؤ کسی کی باتوں پر“ اور نہ ٹوہ لگاؤ اور نہ رشک کرو (دنیا کے کاموں میں) اور نہ حسد کرو“ اور نہ بغض رکھو اور نہ منہ پھیر کر رہو۔ بلکہ ہو جاؤ اللہ کے بندے آپس میں بھائی بھائی۔

آپس میں بغض، حسد اور ترک ملاقات نہ کرو اور ہو جاؤ اللہ کے بندے بھائی بھائی۔ اور کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ ترک ملاقات کرے (بخاری) جمعہ کو دو مرتبہ اور پیر اور جمعرات کو لوگوں کے اعمال اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں پھر ہر ایماندار کو بخش دیا جاتا ہے مگر وہ بندہ کہ جو اپنے بھائی سے کینہ رکھتا ہو، کہا جاتا ہے کہ ان دونوں کو چھوڑ دو یہاں تک کہ وہ آپس میں مل جائیں۔ (مسلم)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ایمان خالص کی بنیاد پر قائم ہونے والی اجتماعیت سے منسلک افراد کو دینی اخوت کے رشتے میں جوڑے رکھے اور ان کے درمیان باہمی محبت و خیر خواہی کے جذبات میں اضافہ فرمائے۔ ان کے قلوب کی صفائی کو مخلص ایمانداروں کے ان جذبات کا مصداق بنا دے جن کا اظہار اس دعا میں کیا گیا ہے : رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْا نَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِى قُلُوْبِنَا غِلًا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا اَنْتَكَ وَاَنْتَ الْوَهَّابُ (الحشر : ۱۰) اور مالک دلوں کے روگ کی اس کیفیت سے اپنی پناہ میں رکھے جس کی قرآن میں اس طرح تصویر کشی کی گئی ہے : تَحْسِبُهُمْ جَمِيعًا وَقُلُوْبُهُمْ شَتٰى (الحشر : ۱۳) آمین!

اب بھی اگر کسی کا کہنا یہ ہے کہ شریعت و طریقت دونوں ایک ہیں تو عقل و خرد کے ماتم کے علاوہ کیا کیا جاسکتا ہے۔ ہر چیز سامنے ہے اور پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ شریعت کا حق دین طریقت کا باطل ہے۔ اس کا حرام اسکا حلال ہے۔ ان دونوں میں زمین اور آسمان کا فرق ہے اور یہ دو ایسے کنارے ہیں کہ ایک دوسرے سے کبھی نہیں مل سکتے۔ ایک کی زندگی دوسرے کی موت ہے۔

آج ہر طرف یہی آوازیں آرہی ہیں کہ مسلمانوں کو جمع کرو مسلمانوں کو جمع کرو سوال یہ ہے کہ آخر ان کو کس چیز پر جمع کیا جائے اگر موجودہ دین پر جو استنادی دین ہے تو اس اجتماع سے فائدہ۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کبھی اس کی طرف متوجہ نہ ہو گی بلکہ ہر آن اس پر عذاب کے ڈونگرے برستے رہیں گے۔ ہاں اگر اس موجودہ دین سے برأت کا اعلان کر کے خالص قرآن و سنت کا قصد کیا جائے تو یہ اجتماع مبارک اور صحیح معنوں میں جبل اللہ کو مضبوطی کے ساتھ مل کر پکڑنا ہوگا۔ اسی اجتماع سے مالک حقیقی کا وعدہ ہے کہ اَنْتُمْ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ تم ہی سر بلند تم ہی کامیاب تم ہی (دنیا اور آخرت کے) تاجدار ہو گے، اگر تم مومن بن جاؤ۔ اس زمین کی خلافت تمہارے ہاتھوں میں ہوگی۔ اور امن و سلامتی تمہارے قدم چومے گی۔

رہے ہم، تو ہماری ساری دُور دھوپ اِنْ شَاءَ اللہ اسی مقصد کے لئے وقف ہے اور وقف رہے گی۔ اب کوئی بُرا مانے، چراع پاہوا، گالیاں دے، جان و مال کا دشمن بن جائے تو یہ چیزیں تو آتی جاتی ہیں۔ اہل بات تو یہ ہے کہ کل مالک کے دربار میں اپنی سببات کا کیا بنے گا۔ اس لئے ہم فَاَصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ کے حکم پر عمل کر رہے ہیں اور اس یقین کے ساتھ کہ آسمان و زمین کا اکیلا مالک ہماری کفایت کے لئے بس ہے۔

ابھی ایک آخری بات تو بانی ہے یعنی یہ فریاد کہ لوگو! اگر اللہ کا دین تو حید تمہارے دل کو اپیل نہیں کرتا تو کم از کم اس دین استناد کو اپنی ذات تک ہی محدود رکھتے مگر تم نے یہ کیا غضب کیا کہ صدیوں سے اس کی تبلیغ و ترویج کے لئے خانقاہیں بنا رہے ہو، مدرسے قائم کر رہے ہو، تم نے اپنی متحرک خانقاہیں دنیا کے کونے کونے میں بھیج رکھتی ہیں جو تمہارے دین استناد کا پرچار کرتی ہیں، تمہارے اخبار، تمہاری کتابیں، تمہارے رسالے اسی ایک بات کو پھیل کر مالک کائنات کے تحمل کو آزما رہے ہیں۔ لِلّٰہ اس کھیل کو اب تو ختم کرو بہت ہو چکا۔

(ایمانِ خالص قسطِ اول)

حدیثِ مسلم

عن ابی صالح سمع اباہریرۃ رفعہ مرۃ قال تُعرض الاعمال فی کلّ یوم خمیس واثنین فیغفر اللہ عزّ وجلّ فی ذالک الیوم لکلّ امرأ لا یشرک باللہ شیئاً الا امرأً کانت بینہ و بین اخیه شخافۃ قال اُرکوا ہذین حتی یصطلحا اُرکوا ہذین حتی یصطلحا۔

ترجمہ: ابو صالح کہتے ہیں کہ میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ایک باریہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اعمال ہر جمعرات اور پیر کو پیش کیے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اعمال پیش کیے جانیکے دن ہر اس شخص کی منفرت فرما دیتا ہے جس نے اللہ کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک نہ ٹھہرایا ہو، سوائے اس شخص کے کہ اس کے اور اس کے بھائی کے درمیان کوئی رنجش ہو۔ ان دونوں کیلئے کہا جاتا ہے کہ ان کے معاملہ کو مؤخر کر دو یہاں تک کہ وہ مصالحت کریں۔ (ترجمہ مسلم ص ۳۱ جلد ۲ مطبوعہ دہلی)

قرآن مجید میں جو ہر مقام پر حصر کے ساتھ بغیر کسی استثناء کے بیان ہوا ہے کہ بندوں کے سارے اعمال صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوتے ہیں، اسکی بہترین تشریح یہ حدیث ہے۔ مگر قرآن و حدیث کی اس بات کے خلاف فرقہ پرستوں (اہل حدیث، دیوبندی، بریلوی اور شیعہ) کا عقیدہ ہے کہ اعمال اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش ہوتے ہیں۔ حالانکہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زندگی میں تو یہ حال تھا کہ آپ فرماتے تھے:-

تعرض الاعمال یوم الاثنين والخمیس فاحب ان یعرض عملی وانا صائم

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اعمال اللہ کی بارگاہ میں پیر اور جمعرات کو پیش ہوتے ہیں اس لیے میں محبوب رکھتا ہوں کہ ان دنوں جب میرے اعمال بارگاہ ایزدی میں پیش ہوں تو میں روزہ سے ہوں (رواہ الترمذی)

”أفلا اکون عبداً شکوراً“ کے جذبہٴ اخلاص کے حامل بندے کا اندازِ زندگی ملاحظہ ہو۔ رب العالمین کی رضا و خوشنودی کے سچے طلب گار کی شدید خواہش ہے کہ جب اعمال بارگاہ ایزدی میں پیش ہوں تو وہ روزے سے ہو۔ مگر بندوں کے اعمال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہونے کے باطل عقیدے کی اختراع نے اللہ کے بندے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو زندگی کی سطح سے اٹھا کر ربوبیت کے منصب پر فائز کر دیا ہے۔